عقدِ صیانت

یعنی

سروس کنٹراکٹ کے مسائل

مُرتّب

مفتی محمد ثاقب قاسمی فتحپوری

خادم التدریس والافتاء، الجامعۃ العربیۃ معراج العلوم چیتاکیمپ ممبئی

مکتبۃ المعراج ممبئی

عقد صیانت

یعنی

سروس کنٹراکٹ کے مسائل

تالیف

مفتی محمد ثاقب قاسمی فتح پوری

خادم التدریس والافتاء معراج العلوم چیتا کیمپ، ممبئی

© جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

نام کتاب: عقد صیانت یعنی سروس کنٹراکٹ کے مسائل
مؤلف: مفتی ثاقب قاسمی فتح پوری
صفحات: ۱۷۸
سن اشاعت: ۱۴۴۴ھ / ۲۰۲۳ء
تعداد: گیارہ سو
قیمت:
ناشر: مکتبۃ الحرمین
ڈیزائننگ: محمد وسیم اکرم قاسمی
ملنے کا پتہ: مکتبۃ الحرمین دیوبند، دینی کتاب گھر دربھنگہ

فہرست

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تقریظ

حضرت مولانا مفتی زین الاسلام صاحب قاسمی الہ آبادی
استاذ و مفتی دار العلوم دیوبند

نحمده ونصلي على رسوله الكريم، اما بعد!

زمانے کو قرار نہیں اور مسائل کا انحصار نہیں، دن بدن نت نئے مسائل روز افزوں ہیں، ہر شعبہ زندگی سے متعلق مختلف مسائل پیش آتے رہتے ہیں، لیکن صنعتی تبدیلیوں، کاروباری ترقیوں، معاشی سرگرمیوں اور آلات و مشین کی جدید ٹیکنالوجی کی وجہ سے مالی اور کاروباری معاملات میں متنوع جدید اور مخلوط شکلیں وجود میں آرہی ہیں جن کا صراحتہ ذکر قدیم فقہی ذخائر میں نہیں ملتا ایسے میں اولا ان شکلوں اور صورتوں کی واقعی اور نفس الامری حقیقت کو جاننا، پھر اصولی بنیاد یا قریب تر فقہی نظائر پر منطبق کر کے اس پر صحیح حکم لگانا یہ انتہائی دشوار گزار مرحلہ ہوتا ہے۔ ایسے ہی معاملات کی جدید شکلوں میں سے ایک صورت عقود الصیانۃ یعنی سروس کنٹراکٹ کی بھی ہے جس میں ایک فریق کسی دوسرے فریق سے مختلف اشیاء کی نگرانی، مرمت، صفائی وغیرہ کے لئے طے شدہ عوض پر معاہدہ کرتا ہے اس عقد کی رو سے ایک فریق ایک مقررہ مدت کے لئے مقررہ عوض کے بدلے کسی مشین یا کسی اور شئ کی مقررہ وقفہ سے یا عند الطلب جانچ اور سروس کا ذمہ لیتا ہے، پھر اس عقود الصیانۃ کی مارکیٹ میں بہت سی صورتیں رائج ہیں۔

اس عقود الصیانۃ کی حقیقت پر معروف اور متداول عقود میں سے کونسا عقد منطبق ہوتا ہے اسے اجارہ، جعالہ، استصناع، مقاولہ کہا جائے یا اسے عقد مستقل مان کر حکم شرعی پر غور کیا جائے، پھر صیانت کی بعض وہ صورتیں بھی رائج ہیں جن میں معاہدہ کی مدت متعینہ میں صرف ضرورت پڑنے یا خرابی ہونے پر ہی سروس کی فراہمی ضروری ہو جبکہ طے شدہ عوض بہر حال ملے اب اس میں جہالت وغرر کا لحاظ کیا جائے یا عرف وتعامل اور مفضی الی المنازعہ نہ ہونے کی وجہ سے جواز کی بات کی جائے، اس طرح کی اور بہت سی چیزیں تھی جس کی وجہ سے اس عنوان پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت تھی، اسی لئے ادارۃ المباحث الفقہیۃ جمیعۃ علمائے ہند نے اپنے سولہویں فقہی اجتماع منعقدہ ۲۲ر تا ۲۴ر رجب ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۸ر تا ۲۰ر مارچ ۲۰۲۰ء کے لئے اس موضوع کو منتخب کیا ذمہ داران نے موضوع سے متعلق تفصیلی سوالنامہ تیار کرا کے ملک کے نامور علماء اور ارباب افتاء کی خدمت میں ارسال کیا ماشاء اللہ حسب سابق مفتیان کرام نے انتہائی محنت اور لگن، خلوص وجذبۂ صادق کے ساتھ محقق اور مدلل مقالے لکھے جن کی تلخیص اجتماع میں سنائی گئی تھی۔

انہیں قیمتی مقالات میں سے ایک اہم اور قابل قدر مقالہ عزیزم محمد ثاقب سلمہ کا تھا، موصوف نے بسط وتفصیل تحقیق وتدقیق کے ساتھ سوالنامے کے جوابات لکھے تھے، اب مزید محنت اور عرق ریزی کر کے ایک رسالہ کی شکل میں مرتب کیا ہے راقم الحروف نے اس رسالہ کو پڑھا ہے۔

ماشاء اللہ موصوف نے اس رسالہ میں مختلف النوع جزئیات کو یکجا کیا ہے جزئیہ کے ایک ایک پہلو کی تشریح کرتے ہوئے اس کا حکم شرعی واضح کیا ہے، بڑی دقت نظری اور تحقیق سے کام کیا ہے اور اپنے ہر قول پر فقہاء کرام کی عبارات

سے استدلال کرتے ہوئے موقع پر اس کو منطبق کیا ہے، اس طرح اس موضوع پر اب یہ محقق ومدلل رسالہ تیار ہو گیا ہے۔

مفتی محمد ثاقب صاحب زاد اللہ فی علمہ وفضلہ ذی استعداد، جواں سال فاضل ہیں، چند سالوں سے ایک اچھے ادارے میں درس وتدریس اور افتاء کی خدمت انجام دے رہے ہیں، محنت اور لگن سے کام کرنے کے عادی ہیں، اس مختصر رسالے میں موصوف کی نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی کے نمونے موجود ہیں، اللہ تعالی موصوف کی اس کاوش کو شرف قبولیت بخشے اور مزید علمی اور تحقیقی کاموں کے لیے قبول فرمائے۔فقط

خاکپائے درویشاں

زین الاسلام قاسمی الہ آبادی

مفتی دار العلوم دیوبند

۲۶ر جمادی الاول ۱۴۴۴ھ مطابق ۲۱ر دسمبر ۲۰۲۲ء

تقریظ

نائب امیر الہند حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری

استاذ حدیث دار العلوم دیو بند

نحمده ونصلي علىٰ رسوله الكريم، أما بعد!

اِسلام ایک ایسا کامل ومکمل مذہب اور دستور حیات ہے جس میں قیامت تک پیش آنے والے تمام مسائل کا حل اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے؛ البتہ بعض مسائل وہ ہیں جو کتاب وسنت اور آثار صحابہؓ سے براہِ راست مستفاد ہیں، اور بہت سے مسائل ایسے ہیں جو صراحت کے ساتھ قرآن وسنت میں موجود نہیں؛ لیکن فقہاء کے اجتہاد واستنباط کی روشنی میں نظائر کو سامنے رکھ کر اُن کا حکم بیان کیا جاتا ہے۔

انہیں پیش آمدہ جدید مسائل میں سے ایک مسئلہ ''عقد صیانت'' یعنی ''سروس کنٹرکٹ'' کا ہے، جس کے متعلق ''اِدارۃ المباحث الفقہیہ'' جمعیۃ علماء ہند نے اپنے ۱۶/ ویں فقہی اجتماع میں سوال نامہ جاری کیا، جس میں عقد صیانت کی فقہی تطبیق، اس کی حقیقت اور اس پر اجرت کے جواز وعدم جواز وغیرہ کے سبھی ضروری گوشوں پر غور وفکر کر کے مقالہ نویسی کی دعوت دی گئی؛ چناں چہ فاضل گرامی جناب مولوی مفتی محمد ثاقب صاحب زید علمہ اُستاذ مدرسہ معراج العلوم چیتا کیمپ ممبئی نے پہلے اس موضوع پر اپنا تحقیقی مقالہ لکھا، اِجتماع میں شریک ہوئے، اور اب اس مقالہ کو تفصیلی تجزیہ، مزید تحقیق اور باریک بینی کے ساتھ دوبارہ مرتب کیا ہے جس میں قدیم وجدید فقہی کتابوں کی عبارات، جدہ فقہ

اکیڈمی، مؤتمر اسلامی اور دیگر فقہی اداروں کی تجاویز اور اکابر کے فتاویٰ کی روشنی میں اس کی صحیح فقہی حیثیت کو منقح کرکے اس پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات دیے ہیں۔

احقر کے نزدیک ان کی یہ تحقیقی کاوش نہایت قابل قدر ہے، اہل ذوق علماء اور طلبہ اس سے ضرور فائدہ اُٹھائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

اللہ تعالیٰ اس محنت کو موصوف کے حق میں قبول فرمائیں، اور مزید علمی اور تحقیقی کاموں کی توفیق فرمائیں۔ آمین

فقط والسلام

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
خادم تدریس دار العلوم دیوبند
بروز بدھ ۴/ جمادی الثانی ۱۴۴۴ھ مطابق ۲۸/ دسمبر ۲۰۲۲ء

دعائیہ کلمات

حضرت الحاج قاری محمد صادق خان صاحب دامت برکاتہم
بانی و مہتمم معراج العلوم چیتا کیمپ، ممبئی

یہ دین قیامت تک کے لیے ہے زمانہ کتنا ہی بدل جائے اور انسان کتنی ہی ترقی کر لے دین اسلام میں اس کے لیے مکمل رہبری ورہنمائی موجود ہے، یہ دور معاشی سرگرمیوں کا دور ہے ہر شخص اسی دھن اور فکر میں ہے کہ اس کا مال ایک سے دو اور دو سے چار کیسے بنے یہ جذبہ اور یہ فکر ایک حد تک مذموم نہیں ہے، بس انسان کو دائرہ شریعت میں رہ کر اپنے اس جذبہ کی تکمیل کرنا چاہیے علماء و مفتیان سے معلوم کر کے راہ شریعت پر چلنا چاہیے، خصوصا اس زمانے میں مالی معاملات میں بڑی غفلت ولا پرواہی برتی جارہی ہے حلال وحرام کی تمیز کیے بغیر معاملات کیے جارہے ہیں کاروباری اور معاملاتی ایسی شکلیں وجود میں آگئی ہیں کہ ذراسی غفلت بھی انسان کو حلال سے حرام کی طرف ڈھکیل دیتی ہے انہیں نئی شکلوں میں سے ایک عقد صیانت بھی ہے جس کی بہت سی صورتیں ہیں اور لوگ اس طرح کے معاملات بھی کرتے ہیں بڑی خوشی ومسرت کی بات ہے کہ عزیزم محمد ثاقب سلمہ نے اس عقد کی پیش آمدہ شکلوں کو بڑی خوبصورتی اور نہایت تحقیق وتدقیق سے جمع کر دیا ہے۔

دلی دعا ہے کہ اللہ تعالی موصوف کی اس کاوش کو شرف قبولیت سے نوازیں مؤلف کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے، مزید دین کی ہمہ جہت خدمات کے لئے قبول فرمادے۔

محمد صادق خان (مہتمم جامعہ معراج العلوم، چیتا کیمپ، ممبئی)

۲ر جمادی الثانی ۱۴۴۴ھ مطابق ۲۶ر دسمبر ۲۰۲۲ء

عرض مرتب

اس تغیر پذیر دنیا میں بڑی تیزی سے تبدیلیاں ہو رہی ہیں، ہر نیا دن ایک نئی تبدیلی لے کر طلوع ہو رہا ہے، نئے دور کے نئے تقاضے اور جدید چیلنجز بھی پیدا ہو رہے ہیں، انسانی زندگی مشینوں اور آلات کے گرد گھومنے لگی ہے، اس تحرک بھری زندگی کے نئے نئے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ایک ایسے زندہ متحرک اور لازوال قانون کی ضرورت تھی جو ہر محاذ پر ہر معاملہ میں نسخہ شفا بن سکے، جس کے منہل عذب اور چشمہ صافی سے تشنگان راہ کو تسکین وقرار آسکے، جس میں امیر و غریب، حاکم ومحکوم، مرد وزن، سب کے حقوق وضروریات کی تفصیل ہو۔

پھر ہر ملک اور ہر خطے کے لیے گورے اور کالے کے لیے اس میں مساوی حقوق ہوں ظاہر ہے کہ تمدنی، ثقافتی، معاشرتی، سماجی، اقتصادی، اختلافات، متنوع ضروریات اور طبائع مختلفہ کی وجہ سے کوئی ایک جامد قانون ہر ملک ہر خطے اور ہر زمانے کے لیے مفید نہیں ہو سکتا تھا بلکہ ایسے قانون کی ضرورت تھی جو متحرک ہو، رواں دواں ہو، اصولی دائرہ میں رہتے ہوئے لچکدار اور بدلے ہوئے حالات میں رہنمائی کی مکمل صلاحیت رکھنے والا ہو۔

خدا کا بے پایاں فضل واحسان ہے کہ اس نے ہمیں "فقہ اسلامی" کی شکل میں ایک ایسے ہی زندہ جاوید قانون کا تحفہ عطا فرمایا: وأنزلنا اليك الذكر لتبين للناس ما نزل اليهم ولعلهم يتفكرون۔ (پارہ: ۱۴ ع: ۱۲)

اب قرآن پاک تو اصول وکلیات بیان کرتا ہے احکام کو اجمالی اور کلی انداز

میں ذکر کرتا ہے اس لیے ہر شخص کے لئے ناممکن تھا کہ وہ براہ راست اپنے پیش آمدہ تمام معاملات اور جزئیات کو کما حقہ سمجھ کر پھر اسی کے مطابق کلی پر منطبق کر کے حکم شرعی معلوم کر لے گا، اسی لئے اس بنیادی دستور کی تبیین وتفصیل، تشریح و تطبیق کو کائنات کی سب سے عظیم، ذہین ترین شخصیت حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے کیا گیا: لتبین للناس ما نزل الیھم، آپ نے اپنی پوری زندگی قولا، فعلا، تقریرا، اسی دستور الٰہی کی تبیین وتنفیذ میں گزار دی۔

کتاب اللہ کی اصول وکلیات اور سنت رسول اللہ کی تمثیلات وتفریعات اور تطبیقات کے امتزاج سے نظریاتی وعملی طور پر ایک ایسا خوبصورت قانون، اسوۂ حسنہ وجود میں آ گیا جو رہتی دنیا تک کے لئے قابل عمل اور لائق اتباع ہے: لقد كان لكم في رسول الله اسوه حسنة الخ. جس میں خلوت سے جلوت تک، ایمانیات وعبادات سے معاشرت، اخلاقیات اور معاملات تک، مسجد سے بازار تک، کمرہ عدالت سے تخت اقتدار تک، گوشہ عافیت سے میدان کارزار تک، تنعم وآسائش سے مخمصہ واضطرار تک، صحت وتندرستی سے امراض واعذار تک، عمل وکردار سے رفتار وگفتار تک، فاتح سے مفتوح، حاکم سے محکوم اور محمود سے ایاز تک، غرض ہر شعبہ زندگی ہر حالت اور ہر شخص کے لیے کامل ومکمل نمونہ و اسوہ موجود ہے۔

پھر یہ بات عقل اور فطرت کے خلاف تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت تک آنے والی ایجادات نئی پیدا ہونے والی چیزوں، جدید ٹیکنالوجی اور آلات ومشین میں سے ہر ایک کی تفصیلات وجزئیات اور الگ الگ احکامات بیان فرما دیتے اس لیے اصولی ہدایت اور کلیاتی قانون کے بعد ضرورت تھی کہ بعد میں آنے والے اہل تدبر وتفکر، استنتاج اور استنباط کی صلاحیت رکھنے والے اپنے زمانے کی

ضرورتوں اور تقاضوں کے مطابق ہر پیش آمدہ مسئلہ کے حکم پر غور کر کے انفرادی اور اجتماعی اجتہاد کی روش کو اختیار کر کے امت کی رہبری اور رہنمائی کا فریضہ انجام دیں چنانچہ قرآن پاک نے لتبین للناس پر جملہ نہیں مکمل کیا بلکہ اس کے آگے ولعلهم يتفكرون کہہ کر غیر منصوص مسائل اور نئے پیدا شدہ حالات میں تدبر و تفکر، قیاس اجتہاد کی دعوت بھی دی، اگر کتاب اللہ وسنت رسول اللہ میں ہی ہر چیز کی تصریح وتفصیل اور واضح مکمل حکم شرعی ہوتا تو پھر اس جملے کے لانے کی ضرورت نہیں تھی؛ نیز حدیث معاذ میں :فان لم تجد في سنه رسول الله کہہ کر حضرت معاذ کی نص فہمی کا امتحان نہ لیا جاتا اور امتحان میں کامیابی پر الحمدللہ الذي وفق رسول رسول اللہ کا مژدہ نہ سنایا جاتا۔

جس تدبر و تفکر کی دعوت کتاب ہدایت نے دی جس پر مہر تصدیق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثبت فرمائی اسی کو بعد میں اجماع وقیاس سے جانا گیا اس طرح یہ چار مصادر شریعت، تشریع اسلامی کے مآخذ اور قانون اسلام کی اساس وبنیاد گردانے گئے اب زمانہ کتنا کروٹ لے، حالات کیسے بدلیں، ایجادات و اختراعات کا سیل رواں بھی آئے، نئے مسائل اور جدید چیلنجز کا طوفان بلاخیز بھی اٹھے؛ لیکن ان مصادر شریعت اور ان سے کشید کردہ عطر یعنی فقہ اسلامی میں اس کا اطمینان بخش حل ضرور موجود ہوگا۔

چنانچہ ہر زمانے میں علماء وفقہاء ارباب افتاء اور اہل بصیرت نے اپنے اپنے زمانے کے مسائل کو انہیں کی روشنی میں حل کیا ہے اور بحمداللہ آج بھی یہ روشنی پوری آب وتاب اور قوت کے ساتھ باقی اور زندہ ہے اور اسی کی ضیاء پاشیوں سے نئے مسائل کو حل کرنے کا سلسلہ بھی قائم ہے۔

انہیں نئے مسائل میں ایک معاملہ عقد صیانت کے نام سے معروف ہے

چونکہ یہ عقد آلات ومشین کے گرد گھومتا ہے اور آلات ومشین کی ایجادات جدید ہیں اس لیے یہ معاملہ بھی جدید عقود میں سے ہے اس کا موجودہ ڈھانچہ، هیئت کذائیہ، قدیم فقہی ذخائر میں نہیں ملتا پھر اس کی بہت سی صورتیں ہیں جو لوگوں کے تعامل اور معاملات کا حصہ ہیں اس لیے ضرورت تھی کہ اس موضوع پر سنجیدگی سے غور کر کے اس کی صورتوں کا واضح اور تفصیلی حکم ذکر کیا جائے؛ چنانچہ ادارۃ المباحث الفقهیہ جمیعۃ علمائے ہند نے اپنے سولہویں فقہی سمینار کا اسے موضوع بنایا بڑی عرق ریزی اور محنت سے موضوع سے متعلق تفصیلی سوالنامہ تیار کرا کے ملک کے مؤقر اہل افتاء کی خدمت میں ارسال کیا گیا احقر کی سعادت مندی ہے کہ وہ اس مؤقر پلیٹ فارم ادارۃ المباحث الفقهیہ سے وابستہ ہے، چنانچہ بندے نے بھی اسموضوع سے متعلق تفصیلی جوابات لکھنے کی کوشش کی تھی، اب مزید اضافے اور ترمیم کے ساتھ اسے ایک رسالہ کی شکل میں مرتب کیا ہے یہ رسالہ اب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

بندہ کیا اور اس کی کوشش کیا؟ ظلوم وجہول سے حرف شناسی کی توقع کیسی؟ طفل مکتب اور راہ علم کے نوسکھیا سے کسی قابل قدر جنبش قلم کی امید کے کیا معنیٰ؟ بس یہ چند بے ہنگم سی سطریں سپرد قرطاس کردی گئی ہیں اس امید پر کہ شاید یہ مشت غبار کسی کے کام آسکے۔

بندہ اس موقع پر اپنے اکابرین واساتذہ، محسنین ومعاونین کا دل سے شکر ادا کرتا ہے کہ انھیں کی دعا حوصلہ افزائی اور مہمیز سے کسل مند اور فتور طبیعت بھی کچھ لکھنے پر آمادہ ہوگئی بالخصوص مخدوم گرامی قدر مایۂ ناز مفتی بابصیرت فقیہ حضرت الاستاذ حضرت مفتی زین الاسلام صاحب قاسمی استاذ ومفتی دارالعلوم دیوبند کا بے حد ممنون کرم ہے کہ حضرت نے تدریسی اور فتوی نویسی کی بے پناہ

مصروفیات کے باوجود بالاستیعاب پورے مسودے کو باریک بینی سے پڑھ کر اصلاح وترمیم فرمائی مفید مشوروں سے نوازا اور تقریظ لکھ کر کتاب کے حسن کو دوبالا کردیا۔

اسی طرح نائب امیر الہند حضرت اقدس مولانا سید محمد سلمان منصور پوری دامت فیوضہم کا بھی شکر ادا کرتا ہے کہ باوجود ہمہ جہت دینی خدمات کے احقر کی حقیر سی درخواست پر تقریظ لکھ کر مرحمت فرمائی۔

آخر میں حضرت مفتی مصعب صاحب قاسمی معین مفتی دار العلوم دیوبند اور حضرت مفتی ابراہیم صاحب غازی آبادی مرتب فتاویٰ کتاب النوازل کا بھی بندہ بے حد شکر گزار ہے کہ ان حضرات نے بھی باوجود مختلف علمی مشاغل کے مفید مشورے دیے، حوصلہ افزائی فرمائی۔

باری تعالیٰ اس کاوش وکوشش کو قبول فرما کر مؤلف کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے، مزید علمی وعملی کاموں کی توفیق دے اور قبول فرمائے۔ آمین

بجاہ سید المرسلین وخاتم النبیین

احقر محمد ثاقب قاسمی فتح پوری
خادم التدریس والافتاء، معراج العلوم چیتا کیمپ، ممبئی
بروز جمعہ: ۶/ جمادی الثانی ۱۴۴۴ھ ۳۰/ دسمبر ۲۰۲۲ء

صیانت کی لغوی تعریف:

صیانت باب نصر سے صان، يصون صونا، صيانا و صيانة کا مصدر ہے جس کے معنی ہے حفاظت کرنا، بچانا وغیرہ، صفت مفعولی مَصُوْنٌ ہے بمعنی محفوظ البتہ مَصوُوْنٌ یہ بنی تمیم کی لغت ہے اور نادر الاستعمال ہے، اسی سے صُوان، ہے کپڑے یا کتابوں کی الماری، بکس، جمع أصونة۔

قال فی لسان العرب: الصون أن تقی شیئا وصان الشیئ صونا وصيانة وصيانا ويقال صنت الشيئ أصونه فهو مصون وجعلت الشيئ فی صوانه۔ (لسان العرب ۴۴۶/۷)

صیانت کی اصطلاحی تعریف:

صیانت کی مروجہ شکلیں اور اس کا موجودہ ڈھانچہ جدید پیش آمدہ مسائل میں سے ہے، اس لئے مروجہ صیانت کی تعریف قدیم فقہی کتابوں میں نہیں ملتی، البتہ معاصر علماء فقہاء اور ارباب قانون نے اس سے بحث کی ہے، بالخصوص عرب علماء ومفکرین نے اس لئے ذیل میں چند تعریفیں نقل کی جاتی ہیں:

پہلی تعریف:

ڈاکٹر یوسف قاسم تحریر فرماتے ہیں: هو عقد بين طرفين بمقتضاه يقوم أحدهما بصيانة آلة من الآلات وفی نظير ذلك يلتزم الطرف الآخر بدفع الأجرة المحددة له بينهما۔ (تطبيقات الإجارة والجعالة على عقود الصيانة _٦)

ترجمہ: فریقین کے درمیان ایک ایسا عقد جس کی رو سے

ایک فریق کسی مشین کی اصلاح ومرمت اوراس کی حفاظت کی ذمہ داری لے اوراس کے مقابلہ میں دوسرا فریق آپسی طے شدہ اجرت دینے کاالتزام کرے۔

اسی کے قریب وہ تعریف ہے جوالدکتور محمد صدیق الضریر نے کی ہے موصوف لکھتے ہیں: ھی عقد یتعھد بمقتضاہ احد المتعاقدین بصیانة شیء لقاء أجر یتعھد بہ المتعاقد الآخر۔(عقود الصیانة وتکییفھا الشرعی بحوالہ مجلة مجمع الفقہ الاسلامی العدد ۱۱/۱۰۷)

ترجمہ: وہ ایسا عقد ہے کہ جس کی رو سے متعاقدین میں سے کوئی کسی چیز کی اصلاح ومرمت کی ذمہ داری کا عہد کرے دوسرے فریق کی طرف سے طے شدہ اجرت کے مقابلہ میں۔

لیکن یہ دونوں تعریفیں ناقص ہیں کیونکہ تعریف کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے افراد کے لئے جامع ہو اور دخول غیر سے مانع ہو جبکہ یہ دونوں تعریفیں عقد صیانت کی بہت سی اقسام کو شامل نہیں ہیں؛ چنانچہ پہلی تعریف گاڑی مشین وغیرہ کی صیانت کو تو شامل ہے، لیکن غیر آلات اور غیر منقولی چیزوں کی صیانت کو شامل نہیں ہے، نیز دونوں تعریفیں عقد صیانت غیر مستقل کو شامل نہیں ہیں بلکہ یہ صرف عقد صیانت مستقل پر ہی صادق آتی ہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔

دوسری تعریف:

الدکتور محمد علی التسخیری فرماتے ہیں: الاتفاق فی عقد مستقل أوضن عقد معین بین الشرکة أو المتخصص وبین صاحب المال للقیام بخدمات الا دامة وإصلاح المال فی مدة معینة کیی یبقی صالحا للاستفادة المطلوبة فی مقابل أجرة معینة۔ (عقود الصیانة وتکییفھا

الشرعی بحوالہ مجلہ مجمع الفقہ الاسلامی العدد ١٢٦/١١)

ترجمہ: کسی مستقل یا متعین عقد کے ضمن میں کمپنی یا ماہر میکینک اور مالک کا کچھ مقررہ عوض کے بالمقابل آپس میں یہ معاہدہ کرنا کہ ایک فریق متعینہ مدت تک سامان کی اصلاح و مرمت کی خدمات انجام دیگا تاکہ وہ سامان مطلوبہ فائدہ اٹھانے کے قابل رہے۔

تیسری تعریف:

مجمع الفقہ الاسلامی جدہ نے یہ تعریف کی ہے: عقد الصيانة هو عقد معاوضة يترتب عليه التزام طرف بفحص وإصلاح ما تحتاجه آلة أو أئ شئ آخر من إصلاحات دورية أو طارئة لمدة معلومة فى مقابل عوض معلوم وقد يلتزم الصائن بالعمل وحده أو بالعمل والمواد۔ (مجلہ مجمع الفقہ الاسلامی تجویز ٩٤/٦/١١، شمارہ نمبر ٢٧٩/١١)

ترجمہ: عقد صیانت وہ ایسا عقد مالی ہے جس میں ایک فریق ایک مقررہ مدت کے لئے کچھ مقررہ عوض کے بالمقابل کسی مشین یا کسی اور شی ء کی وقفہ جاتی یا ہنگامی جانچ اور درستگی کا ذمہ لیتا ہے اور صائن کبھی تو صرف عمل کا ذمہ لیتا ہے اور کبھی عمل و سامان دونوں کا۔

چوتھی تعریف:

معجم لغۃ الفقہاء میں ہے:

هى مجموعة الاعمال اللازمة لبقاء عين على الحالة التى تصلح فيها لأداء الأعمال المرادة منها۔ (معجم لغة الفقهاء ٢٧٩)

ترجمہ: یہ ان ضروری کاموں کا مجموعہ ہے جو شیٔ کو اس حالت پر باقی رکھنے کیلئے ضروری ہوں جس میں وہ اپنے مطلوبہ اعمال انجام دینے کے قابل رہے۔

پانچویں تعریف:

ڈاکٹر محمد حسن جواہری لکھتے ہیں: هی عبارة عن الرعاية وإصلاح الشئ المعمر (السلع المعمرة) كلما طرأ عليه عطل أو اذى من حيث قدرته عليه إنتاج الخدمات والمنافع المقصودة منه۔ (عقود الصيانة ۳)

ترجمہ: یہ نام ہے کسی سامان کی اصلاح ومرمت اور حفاظت کرنے کا جب بھی اس کو کوئی خرابی یا نقصان لاحق ہوتا کہ وہ مطلوبہ منافع اور خدمات فراہم کرتا رہے۔

انٹرنیشنل اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ کی تجاویز میں اس کی حقیقت پر بایں الفاظ روشنی ڈالی گئی ہے:

''یہ حقیقت میں ایسا عقد معاوضہ ہے جس کی رو سے معاملہ کا ایک فریق ایک مقررہ مدت کے لئے کچھ مقررہ عوض کے بالمقابل کسی مشین یا کسی اور شیَ کی وقفہ جاتی یا ہنگامی جانچ اور درستگی کا ذمہ لیتا ہے ایسا ذمہ لینے والا کبھی تو صرف عمل (سروس) کا ذمہ لیتا ہے اور کبھی عمل وسامان دونوں کا۔'' (اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ کے فیصلے ۳۳۰ عقد صیانت)

ان سب تعریفات میں قدرے مشترک یہ اشکال ہے کہ یہ تعریفات اگرچہ عقد صیانت کی بہت سی قسموں کو شامل ہیں لیکن تمام اقسام کو شامل نہیں ہیں اور صیانت کی

بہت سی ایسی شکلیں مروج ہیں جو ان تعریفات کی دسترس سے باہر ہیں مذکورہ تعریفات میں سب سے زیادہ جامع وہ تعریف ہے جو انٹرنیشنل فقہ اکیڈمی جدہ نے کی ہے لیکن بعض شکلیں اس تعریف سے بھی خارج ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مشین، آلات اور ٹیکنالوجی کی کثرت کی وجہ سے صیانت کی ایسی متنوع شکلیں وجود پزیر ہوگئی ہیں کہ ان کے لئے کسی جامع و مانع تعریف کا انتخاب ایک دشوار کن مرحلہ ہے۔

جامع تعریف:

مذکورہ تعریفات کو سامنے رکھ کر ذیل میں ایک جامع تعریف ذکر کی جارہی ہے:

هو عقد معاوضة يلتزم فيه طرف بالمحافظة على كفاءة عين لطرف آخر للقيام بوظيفتها المعهودة بمراقبة أدائها وإصلاح أعطابها مع توفير المواد اللازمة لتحقيق ذلك عند التزامها إما لمرة واحدة أو خلال فترة معينة مقابل عوض معلوم۔ (مستفاد از عقود الصيانة وتطبيقاتها: ۴۹)

الغرض ان تعریفات کا خلاصہ یہ ہے کہ عقد صیانت ایسا عقد ہے جس میں ایک فریق (خواہ وہ شخص حقیقی ہو کوئی فرد وغیرہ یا شخص حکمی ہو یعنی کمپنی ادارہ وغیرہ) دوسرے فریق سے مختلف اشیاء کی نگرانی صفائی ستھرائی، اصلاح و مرمت یا اپ ڈیٹنگ اور تجدید وغیرہ کرنے کا طے شدہ عوض پر معاہدہ اور عقد کرتا ہے اور دوسرا شخص متعینہ مدت کے لئے مقررہ وقت کے وقفہ سے یا عندالطلب اس ذمہ داری کو قبول کرتا ہے تو یہ عقد صیانت ہے اور فریق آخر کو محض ذمہ داری قبول کرنے سے ہی اجرت کا استحقاق ہو جائے گا۔

عقد صیانت کی فقہی تطبیق

سوال-۱:

عقود کی مروجہ صورتوں میں سے ایک صورت عقود الصیانہ یعنی سروس کنٹراکٹ کی ہے، جس میں ایک فریق دوسرے فریق سے مختلف اشیاء کی نگرانی، مرمت اور صفائی وغیرہ کے طے شدہ عوض پر معاہدہ اور عقد کرتا ہے، اس عقد کی رو سے معاملہ کا ایک فریق ایک مقررہ مدت کے لئے کچھ مقررہ عوض کے بالمقابل کسی مشین یا کسی اور شئ کی مقررہ وقت کے وقفہ سے یا عند الطلب جانچ اور سروس کا ذمہ لیتا ہے۔

پھر اس کی دو شکلیں ہوتی ہیں: ایک یہ کہ ذمہ لینے والا صرف سروس کا ذمہ لیتا ہے، دوران سروس اگر کوئی پارٹ لگے گا تو وہ مالک ہی کے ذمہ ہوگا، اور کبھی عمل اور سامان دونوں کی ذمہ داری لیتا ہے، سروس بھی کرے گا اور اس میں جس پارٹ کی ضرورت ہوگی اس کو بھی لگائے گا، پھر یہ عقد صیانہ کبھی تو دوسرے عقد کے ساتھ مشروط ہوتا ہے، جیسے ایک شخص دوکان سے کمپیوٹر خرید تا ہے، اور اسی وقت یہ معاہدہ کر لیتا ہے کہ اگر اس میں فلاں متعینہ مدت تک کوئی خرابی ہوگی تو اس کو درست کرانا یا اس کی سروس کرانا بھی بائع کی ذمہ داری ہوگی، اسی شرط کے ساتھ خریداری کا عمل ہوتا ہے، اور کبھی دوسرے عقد کے ساتھ مشروط نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ عقد کرنے والا مستقل الگ سے عقد صیانت کرتا ہے، مثلا ایک شخص کے

پاس فرم ہے، وہ کسی سے یہ عقد کر لیتا ہے کہ جس وقت بھی فرم میں کوئی مشین خراب ہوگی یا سروس کی ضرورت ہوگی، تو مرمت اور سروس کرنی ہوگی۔

پھر ہر صورت میں یہ عقد دو طرح کا ہوتا ہے:

ایک کسی بھی مشین یا شئ کی مقررہ وقت میں جانچ یا سروس مثلاً یہ معاہدہ ہو جاتا ہے کہ ہر ماہ یا ہر چھ ماہ پر جانچ اور سروس کرنی ہی ہے چاہے ضرورت ہو یا نہ ہو دوسرے یہ کہ وقفہ کوئی متعین نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ صرف یہ طے ہوتا ہے کہ ضرورت پڑنے پر ہی جانچ اور درستگی ہوگی۔

(۱) مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں غور طلب امر یہ ہے کہ اس عقد صیانہ کی فقہی تطبیق کیا ہوگی؟ اس کو عقد جعالہ، عقد اجارہ، عقد استصناع، عقد مقاولہ میں سے کس پر منطبق کیا جا سکتا ہے، یا اس کو ایک مستقل عقد سمجھا جائے؟ اگر اس کو مستقل عقد مانا جائے تو یہ جائز ہوگا یا نہیں؟

جواب:

جہاں تک عقد صیانت کی فقہی تطبیق وتکییف کا تعلق ہے تو چونکہ عقد صیانت کا موجودہ ڈھانچہ اور اس کی ہیئت کذائیہ ایک نیا معاملہ ہے اس لئے فقہاء متقدمین کے کلام اور قدیم فقہی ذخیرہ میں اس کی تصریح وتفصیل نہیں ملتی نیز مشین، آلات، ٹیکنالوجی سے مربوط ہونے کی وجہ سے اس کی صورتوں میں تنوع اور پیچیدگی بھی پیدا ہوگئی ہے جس کی بنا پر اس کی فقہی تطبیق کے سلسلے میں معاصر اہل علم بالخصوص عرب باحثین کی مختلف آراء سامنے آئی ہیں ذیل میں کچھ قابل ذکر آراء اور ان کا تجزیہ پیش کیا جا رہا ہے۔

صیانت اور جعالہ

بہت سے حضرات کی رائے یہ ہے کہ عقد صیانت کی بہت سی صورتوں میں جہالت فاحشہ اور غرر کثیر پایا جاتا ہے، چنانچہ عقد صیانت کی وہ صورت جس میں صرف ضرورت پڑنے یا خرابی آنے پر ہی سروس فراہم کرنا ضروری ہو تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں جنس عمل مجہول ہے یہی معلوم نہیں ہے کہ اس متعینہ مدت میں خرابی پیش آئے گی یا سروس کی ضرورت بھی پڑے گی بہت ممکن ہے کہ پوری مدت معاہدہ بلا سروس اور خرابی کے گزر جائے جبکہ صائن اس صورت میں وقت معاہدہ ہی سے اجرت کا مستحق ہو جاتا ہے۔

اسی طرح نوعیت عمل مجہول ہوتی ہے یعنی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اگر خرابی پیش آئے گی تو کس نوعیت کی پیش آئے گی معمولی ہوگی یا بڑی ہوگی کتنا وقت اور کیسی محنت صرف ہوگی نیز کون سے پرزے اور کس طرح کا سامان لگانا پڑے گا غرض یہ کہ عقد صیانت کی بعض صورتوں میں جہالت کثیرہ پائی جاتی ہے اور اس طرح کی جہالت کے ساتھ عقد کا جواز صرف عقد جعالہ میں ہی ہو سکتا ہے اس لیے بہت سے باحثین اور اہل علم کی رائے یہ ہے کہ عقد صیانت عقد جعالہ ہی ہے۔

شیخ محمد مختار السلامی لکھتے ہیں:

ذهب بعض الناظرين من الفقهاء المعاصرين الى ان عقد الصيانه عقد جعل وانه ينطبق عليه هذا التصور العقدي الخاص ذهابا منهم الى ان المعقود عليه مجهول واذا كان العقد في ميدان العمل على مجهول فهو لا يجوز الا على انه عقد جعل كعقد من ضاعت دابته او ابق عبده مع من يبذل مجهودا معينا او عاما تبعا لاختلاف المذاهب ببذل مقدار من المال لمن يحق له

رغبته في رجوع العبد او الدابة لحوزه۔ (مجله مجمع الفقه الاسلامي العدد ۱۱/۳۲۹)

ترجمہ: بعض معاصر باحثین کی رائے یہ ہے کہ عقد صیانت مکمل طور پر عقد جعالہ ہے اور صیانت پر خاص طور سے یہی فقہی تکییف منطبق ہوتی ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ صیانت میں معقود علیہ عمل ہے اور وہ مجہول بھی ہے، اور جب معقود علیہ عمل ہو اور مجہول ہو تو اس کا جواز صرف عقد جعالہ کی بنیاد ہی پر ہوسکتا ہے، جیسے کسی شخص کا جانور گم ہوجائے یا غلام بھاگ جائے اور وہ متعین شخص سے یا غیر متعین لوگوں سے علی اختلاف الاقوال مال کی ایک مخصوص مقدار کے بدلے معاملہ کرلے، اور مال اسے ملے جو غلام کو واپس لے آئے یا جانور کو جا پکڑے۔

اسی طرح دارالافتاء دارالعلوم کراچی سے ایک مفصل فتوی اس سلسلے میں جاری ہوا ہے اس میں بھی بہت سے علماء کی طرف اس رائے کو منسوب کیا گیا ہے۔ لکھتے ہیں: بعض علمائے کرام نے اس عقد (صیانت) کو جعالہ قرار دیا ہے، ان علمائے کرام میں الدکتور منذر قحف، الدکتور احمد الحجی الکردی، الاستاذ عز الدین محمد، الاستاذ الدکتور یوسف قاسم، الدکتور عبد السّتار ابوغدہ حفظہم اللہ تعالیٰ شامل ہیں۔ (مجلہ مجمع الفقہ الاسلامی العدد ۱۱/ ۳۶۸۔ فتویٰ کراچی ص ۳)

کویت کے چوتھے سیمینار کی تجویز

بلکہ کویت کے الندوۃ الفقہیۃ الرابعۃ میں کافی غور وخوض اور بحث وتمحیص کے بعد جو قرارداد پیش کی گئی اور جو تجویز پاس ہوئی اس میں بھی عقد صیانت کی

فقہی تکییف جعالہ ہی سے کی گئی ہے۔

ذیل میں الندوۃ الفقہیۃ کی یہ قرارداد ملاحظہ ہو:

قرار الندوة الفقهية الرابعة بالكويت: عقد الصيانة عقد مستحدث مشروع تنطبق عليه الأحكام العامة للعقود، ولا يخالف نصاً أو قاعدة شرعية عامة. وهو في تكييفه الفقهي أقرب ما يكون إلى عقد الجعالة حيث إن معظم صور الصيانة، لا يمكن فيها تحديد مقدار العمل بشكل دقيق. وبعد تحديد جنس العمل ونوعه ومحل العمل والمقابل والزمن وما فيه من جهالة أو غرر، فهو من اليسير المغتفر الذي لا يؤدي إلى النزاع بالرجوع إلى المتعارف عليه في كل حال، وهذا بالنسبة لعقد الصيانة بدون الالتزام بقطع الغيار.

ترجمہ: عقد صیانت ایک جائز اور نو پید عقد ہے جس پر عقد کے عمومی احکام لاگو ہوتے ہیں اور یہ نہ تو کسی نص شرعی کے خلاف ہے اور نہ ہی شریعت کے کسی عمومی قانون سے ٹکراتا ہے، اس کی قریب ترین فقہی تکییف عقد جعالہ ہے، کیونکہ کہ صیانت کی بیشتر شکلوں میں باریک بینی سے عمل کی تحدید و تعیین نہیں کی جاسکتی عمل کی جنس نوع محل وقت اور مقدار سب کچھ طے کرنے کے باوجود اس میں جہالت وغیرہ کا پہلو باقی رہتا ہے؛ لیکن یہ جہالت یسیرہ ہے جو قابل تحمل ہے اور متعارف ہونے کی وجہ سے امکان نزاع بھی نہیں ہے، یہ اس عقد صیانت کے تعلق سے تفصیل ہے جو مرکزی اور بنیادی پارٹس کے التزام کے بغیر ہو۔

عقد صیانت کو جعالہ ماننا درست نہیں:

عقد صیانت کو جعالہ قرار دینا اور پھر اس بنیاد پر علی الاطلاق اس کو جائز قرار دینا درست نہیں ہے واقعہ یہ ہے کہ مروجہ عقد صیانۃ اور جعالہ میں کئی ایسے فارق موجود ہیں اور دونوں کی حقیقتوں میں ایسا واضح فرق ہے کہ ان فروق کے ہوتے ہوئے عقد صیانت کو جعالہ قرار ہی نہیں دیا جا سکتا۔

پہلی وجہ:

پہلی بات تو یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک اصح قول کے مطابق باستثناء عبد اٰبق جعالہ جائز ہی نہیں ہے (اگرچہ بعض متاخرین احناف جن میں حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی صاحبؒ بھی ہیں عقد جعالہ کو جائز قرار دیتے ہیں) کیوں کہ جعالہ میں جہالت فاحشہ ہوتی ہے بایں طور کے عامل کی تعیین نہیں ہوتی ایک اور ایک سے زائد بھی ہو سکتے ہیں، عامل پر عمل کا التزام بھی نہیں ہوتا بہت سی صورتوں میں وقت کی تعیین بھی نہیں ہوتی نیز اس میں مال کے استحقاق کو خطر پر معلق کرنا پایا جاتا ہے جو قمار کی حقیقت ہے۔

علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں: لان العقد مع المجهول لا ينعقد لو قال من رده فله كذا ولم يخاطب به قوما باعيانهم فرده احدهم لا يستحق شيئا ثم هذا تعليق استحقاق المال بالخطر وهو قمار والقمار حرام في شريعتنا۔ (المبسوط للسرخسی ۱۱/۱۸)

ترجمہ: اس لیے کہ مخاطب مجہول کے ساتھ عقد منعقد نہیں ہو سکتا، لہٰذا اگر کسی نے یہ اعلان کیا کہ جو گم شدہ غلام واپس لائیگا اسے اتنا انعام ملے گا اور متعین طریقے پر کسی کو مخاطب نہیں بنایا،

اب اس اعلان کے نتیجے میں کوئی شخص اگر وہ غلام ڈھونڈ کر لاتا ہے تو وہ شرعاً کسی انعام کا حقدار نہیں ہوگا، (اس لیے کہ عقد منعقد ہی نہیں ہوا) علاوہ ازیں اس میں مال کے استحقاق کو امر متردد پر معلق کرنا ہے جو کہ قمار کی حقیقت ہے اور شریعت میں صراحۃ حرام ہے۔

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ ایک موقع پر فرماتے ہیں:

قلت والحاصل ان اجرة السمسرة ضربان اجارة وجعالة فالاول يكون مدة معلومة يجتهد فيها للبيع وهذا جائز بلا خلاف ـ ـ ـ والجعاله لا يضرب فيها اجل ولا يستحق فيها شيئا الا بتمام العمل وهي فاسدة عندنا لجهالة العمل والاجل معا مرة وجهالة احدهما أخرى۔ (اعلاء السنن ۱۶/۲۰۸)

ترجمہ: خلاصہ یہ ہے کہ دلالی کی اجرت کی دو صورتیں ہے: (۱) اجارہ (۲) جعالہ؛ اجارہ میں باقاعدہ ایک مدت متعین ہوتی ہے اجیر ایسی متعینہ مدت میں سامان کو بیچنے کے لیے دوڑ دھوپ اور محنت کرتا ہے یہ معاملہ تو بالاتفاق جائز ہے البتہ جعالہ میں کوئی مدت متعین نہیں ہوتی اور عامل اس وقت تک جعل اور انعام کا مستحق نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی محنت و سعی پر نتیجہ عمل قریب نہ ہوجائے جعالہ حنفیہ کے نزدیک فاسد ہے کیوں کہ بسا اوقات عمل اور مدت دونوں مجہول ہوتے ہیں اور کبھی ان میں سے کوئی ایک مجہول ہوتا ہے۔

اسی طرح الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:

لا تجوز الجعالة عند الحنفية لما فيها من الغرر اي جهالة العمل والمدة قياسا على سائر الاجارات التي يشترط لها معلومية العمل والماجور والاجرة والمدة وانما اجازوا فقط استحسانا دفع الجعل لمن يرد العبد الأبق ولو بلا شرط۔ (۵۷۹/۱)

ترجمہ: حنفیہ کے نزدیک جعالہ جائز نہیں ہے کیوں کہ اس میں غرر و جہالت پائی جاتی ہے عمل اور مدت دونوں مجہول ہوتے ہیں اجارہ کی جملہ شکلوں پر قیاس کرتے ہوئے اس کو ناجائز قرار دیا گیا کیونکہ صحت اجارہ کے لئے عمل منفعت اجرت اور مدت سب معلوم ہونا ضروری ہے؛ البتہ فقہاء احناف نے استحسانا عبد آبق میں جعالہ کو جائز قرار دیا ہے۔

اور جب جعالہ جائز ہی نہیں ہے تو پھر عقد صیانت کو اس پر منطبق کر کے جواز کی راہ ڈھونڈنا بے محل ہے۔

دوسری وجہ:

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر چہ دیگر ائمہ کے نزدیک اور بعض متاخرین احناف کے یہاں بھی جعالہ جائز ہے اور اس کا دائرہ بھی وسیع ہے لیکن کسی کے نزدیک جعالہ عقد لازم نہیں ہے جبکہ عقد صیانت لازم ہے صائن پر معاہدہ کے مطابق متعینہ مدت میں خدمات فراہم کرنا ضروری ہے۔ الموسوعۃ میں ہے:

قال الشافعية والحنابلة وهو الراجح عند المالكية ان الجعالة عقد غير لازم لكل من المتعاقدين قبل شروع العامل في العمل فيجوز لكل من المتعاقدين الرجوع فيه بدون ان يترت على

ذلك اي اثر۔ (الموسوعة الفقهيه: ۲۱/۱۵)

ترجمہ: شوافع، حنابلہ اور مالکیہ کے راجح قول کے مطابق عامل کے عمل شروع کرنے سے پہلے عاقدین میں سے ہر ایک کے لئے جعالہ عقد غیر لازم ہے؛ لہٰذا فریقین میں سے ہر ایک کے لیے رجوع کرنا جائز ہے کسی بھی طرح کا اثر مرتب ہوئے بغیر۔

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں اجارہ اور جعالہ کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الجعالة عقد جائز غير لازم فيجوز فسخه بخلاف الاجارة فانها عقد لازم لا يفسخ۔ (الفقه الاسلامي وادلته: ۵۸۱/۴)

ترجمہ: جعالہ عقد جائز غیر لازم ہے؛ لہٰذا فسخ کرنا جائز ہے برخلاف اجارہ کے کیونکہ اجارہ عقد لازم ہے ناقابل فسخ ہے۔

اس بنیادی اور اساسی فرق کے ہوتے ہوئے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق اور انطباق بلا دلیل ہے۔

تیسری وجہ:

تیسری وجہ یہ ہے کہ عقد جعالہ نتیجہ عمل پر واقع ہوتا ہے یعنی متعینہ یا غیر متعینہ مدت میں معین نتیجہ مرتب کرنے پر عقد ہوتا ہے، چنانچہ اگر وہ متعین نتیجہ عامل پیش کر دیتا ہے تو ہی وہ اجرت کا استحقاق رکھتا ہے بالفرض عامل کی طرف سے تمام تر تگ و دو اور بے پناہ محنت و مشقت کے باوجود نتیجہ برآمد نہ ہو تو عامل کو کچھ بھی نہیں ملے گا اس کے برخلاف عقد صیانت میں تسلیم نفس اور فراہمی خدمات کے لئے ہمہ وقت یا ضرورت پڑنے پر تیار رہنے کی وجہ سے ہی اجرت کا استحقاق

ہوتا ہے، چنانچہ اگر متعینہ مدت میں مرمت وغیرہ کی ضرورت نہ بھی پڑے اور صائن کسی طرح کی محنت وخدمت پیش نہ کرے نہ ہی کوئی عمل کرے تب بھی وہ عقد کے وقت سے اجرت کا مستحق ہوگا۔

معاییر شرعیہ میں ہے: الجعالة عقد يلتزم فيه احد طرفيه بتقديم عوض معلوم وهو الجعل لمن يحقق نتيجة معينة في زمن معلوم او مجهول وهو العامل۔ (المعاییر الشرعیہ:۴۲۵)

ترجمہ: جعالہ ایسا عقد ہے جس میں ایک فریق متعین عوض یعنی انعام دینے کا معاہدہ کرتا ہے ایسے شخص کو یعنی جو متعین یا غیر متعین وقت میں متعینہ نتیجہ فراہم کرنے کا التزام کرتا ہے۔

الدکتور وهبه الزحيليؒ ایک موقع پر لکھتے ہیں: لا تتحقق المنفعة للمالك في الجعالة الا بتمام العمل اما في الاجارة فتحقق المنفعة للمستاجر بجزء من العمل وبناء عليه لا يستحق العامل في الجعالة شيئا الا بتمام العمل واذا عمل الاجير في الاجارة بعض العمل استحق من الاجر بحساب ما عمل۔ (الفقه الاسلامي والادلته: ۷۸٦/۴ـط دار الفكر)

ترجمہ: جعالہ میں مالک کے لئے عمل کی تکمیل اور نتیجہ فراہم ہونے پر ہی منفعت متحقق ہوتی ہے؛ لیکن اجارہ میں مستاجر کے لیے عمل کے حساب سے منفعت حاصل ہوتی ہے، وجہ یہ ہے کہ جعالہ میں عامل تکمیل عمل اور حصول نتیجہ پر ہی اجرت کا مستحق ہوگا، جبکہ اجارہ میں اجیر تھوڑا عمل کرنے پر بھی اپنے عمل کے حساب سے اجرت کا مستحق ہوگا۔

چوتھی وجہ:

یہ ہے کہ جعالہ میں مدت کی جہالت قابل برداشت ہوتی ہے؛ بلکہ مالکیہ کے یہاں صحت جعالہ کے لیے یہ شرط ہی ہے کہ مدت کی تعیین نہ ہو، اگر عمل کی کوئی مدت متعین کر دی گئی تو جعالہ فاسد ہو جائے گا، جبکہ عقد صیانت میں مدت عمل متعین ہوتی ہے۔

الفقہ الاسلامی میں ہے: اشترط المالكية الا يحدد للجعالة اجل وقال غيرهم يصح الجمع بين تقدير المدة والعمل۔ (الفقہہ الاسلامی الادلہ: ۴/۷۸۸)

ترجمہ: مالکیہ کے نزدیک صحت جعالہ کے لیے یہ شرط ہے کہ جعالہ کی کوئی مدت مقرر نہ ہو جبکہ دوسرے فقہا کے نزدیک مدت اور عمل دونوں کی تعیین کے ساتھ بھی جعالہ درست ہے۔

الغرض جعالہ اور صیانت میں بہت سے بنیادی فرق ہیں، جن کے ہوتے ہوئے ایک کو دوسرے پر منطبق نہیں کیا جاسکتا محض معمولی مشابہت اور ادنیٰ مماثلت یا کسی وصف میں اشتراک یہ انطباق کے لئے کافی نہیں ہوتا ورنہ عقد نکاح کو بھی اجارہ قرار دینا پڑے گا۔

فقہاء نے اجارہ اور جعالہ کے درمیان جو فروق بیان فرمائے ہیں وہ تقریبا عقد صیانت اور جعالہ کے درمیان بھی پائے جارہے ہیں تو جس طرح ان اساسی فروق کی وجہ سے جعالہ کو اجارہ نہیں قرار دیا جاسکتا اسی طرح عقد صیانت کو بھی جعالہ نہیں مانا جاسکتا۔

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے۔

تختلف الجعالة عن الإجارة من خمسة وجوه هي:

جعالہ اوراجارہ میں پانچ فرق ہیں:

۱- تصح الجعالة مع عامل غير معين، ولا تصح الإجارة مع مجهول.

۱۔عامل اگر معلوم ومتعین نہیں تو بھی جعالہ درست ہے جب کہ اجیر کے مجہول ہونے کی صورت میں اجارہ صحیح نہیں ہوتا۔

۲- تجوز الجعالة على عمل مجهول، أما الإجارة فلا تصح إلا على عمل معلوم.

۲- جعالہ میں اگر کام مجہول ہوتو بھی جعالہ صحیح ہے جبکہ اجارہ عمل مجہول ہونے کی صورت میں فاسد ہوجائے گا۔

۳ - لا يشترط في الجعالة قبول العامل لأنها تصرف بإرادة منفردة، أما الإجارة فلا بد من قبول الآجر القائم بالعمل لأنها عقد بإرادتين.

۳-صحت جعالہ کے لئے عامل کا عقد کو قبول کرنا ضروری نہیں ہے؛ کیوں کہ جعالہ جاعل کا خود مستقل تصرف ہے؛ لیکن اجارہ ایک عقد معاوضہ ہے اس میں اجیر اور عامل کا قبول کرنا ضروری ہے کیوں کہ تمام عقود معاوضہ میں فریقین کی رضامندی ضروری ہوتی ہے۔

۴- الجعالة عقد جائز غير لازم، أما الإجارة فهي عقد لازم، لا يفسخها أحد العاقدين إلا برضا الآخر.

۴-جعالہ عقد غیر لازم ہے جبکہ اجارہ عقد لازم ہے، فریقین میں سے کسی کے لیے دوسرے کی مرضی کے بغیر فسخ کرنا جائز نہیں ہے۔

۵-لا يستحق الجعل في الجعالة إلا بالفراغ من العمل، ولو شرط تعجيله فسدت، وفي الإجارة يجوز اشتراط تعجيل الأجرة۔

(الفقه الاسلامی وادلته: ۵/۵۲۱)

۵-جعالہ میں جعل اور اجرت کا استحقاق تکمیل عمل اور نتیجہ عمل کے حصول پر ہی ہوگا، اگر جعل پیشگی دینے کی شرط لگادی تو جعالہ فاسد ہوجائے گا، اور اجارہ میں پیشگی اجرت کی شرط لگانا درست ہوگا۔

دوسری جگہ ہے:

الفرق بين الجعالة والإجارة على الأعمال: تفترق الجعالة عن الإجارة۔ على عمل معلوم كبناء وخياطة ثوب وحمل شيء إلى موضع معلوم من نواح أربع وهي:

ترجمہ: اجارہ اور جعالہ کے درمیان فرق: وہ اجارہ جو کسی متعین عمل پر ہو، مثلاً گھر وغیرہ کی تعمیر کپڑے کی سلائی کسی چیز کو متعین جگہ تک لے جانا وغیرہ اس اجارہ اور جعالہ میں چار جہات سے فرق ہے:

أولاً: لا يتم استيفاء المنفعة للجاعل إلا بتمام العمل كرد الشارد وبرء المريض. أما في الإجارة فيتم استيفاء المنفعة للمستأجر بمقدار ما عمل الأجير. وبعبارة أخرى: لا تتحقق المنفعة في الجعالة إلا بتمام العمل، أما في الإجارة فتتحقق المنفعة للمستأجر بجزء من العمل، وبناء عليه، لا يستحق العامل في الجعالة شيئاً إلا بتمام العمل، وإذا عمل الأجير في الإجارة بعض العمل استحق من الأجر بحساب (أو مقدار) ما عمل۔

(۱) جعالہ میں جاعل کے لیے منفعت کا حصول عمل کی تمامیت اور تکمیل پر موقوف ہے جیسے کہ بے قابو اور بھاگے ہوئے جانور کو واپس لے آنا اور مریض کا شفایاب ہوجانا جبکہ اجارہ میں مستاجر کے لئے اجیر کے عمل کے بقدر منفعت حاصل ہوجائیگی بالفاظ دیگر تکمیل عمل کے بغیر منفعت حاصل ہی نہیں ہوسکتی جبکہ اجارہ میں بقدر عمل مستاجر کے لیے منفعت کا تحقق ہوگا یہی وجہ ہے کہ جعالہ میں عامل تکمیل عمل پر جعل کا مستحق ہوتا ہے جبکہ اجارہ میں تھوڑا عمل کرنے پر بھی اجیر بقدر عمل اجرت کا مستحق ہوتا ہے۔

ثانيا: إن الجعالة عقد يحتمل فيها الغرر، وتجوز جهالة العمل والمدة بخلاف الإجارة، فالعمل في الجعالة قد يكون معلوماً، أو مجهولا غير معلوم كرد بهيمة ضالة، وحفر بئر حتى يخرج منها الماء، وكما تصح الجعالة على عمل مجهول أو معلوم، تصح جهالة المدة، أما الإجارة فلا بد من أن يكون العمل فيها معلوماً كالخياطة والبناء، والمدة معلومة، وإذا قدرت الإجارة بمدة لزم الأجير العمل في جميع المدة، ولا يلزمه العمل بعدها. أما الجعالة فالمهم فيها إنجاز العمل دون تقيد بالمدة.

(۲) جعالہ ایسا عقد ہے جس میں غرر قابل تحمل ہوتا ہے اور عمل و مدت کی جہالت کے باوجود جعالہ درست ہوتا ہے؛ چنانچہ جعالہ میں عمل کبھی معلوم ہوتا ہے اور کبھی مجہول ہوتا ہے، جیسے گم شدہ جانور کو واپس لانا یا پانی نکلنے تک کنواں کھودنا؛ نیز جعالہ جس طرح عمل مجہول اور معلوم کے ساتھ درست ہوجاتا ہے، اسی طرح

جہالت مدت کے ساتھ بھی صحیح ہو جاتا ہے برخلاف اجارہ کے
کیونکہ زیادہ تر اجارہ کے لئے عمل کا معلوم ہونا اور مدت کا متعین
ہونا ضروری ہے، جیسا کہ سلائی اور تعمیر وغیرہ اور جب اجارہ میں
ایک مدت طے کر دی جائے تو پھر اجیر پر پوری مدت میں کام
ضروری ہوگا، ہاں البتہ مدت کے بعد کام لازم نہیں ہوگا جبکہ
جعالہ میں اصل تو نتیجہ عمل فراہم کرنا اور اس کام کو کر گزرنا مقصد
ہوتا ہے وہاں مدت کی تعیین سے سروکار نہیں ہوتا۔

ثالثاً: لا يجوز اشتراط تقديم الأجرة في الجعالة، بخلاف الإجارة۔

(۳) جعالہ میں پیشگی اجرت کی شرط لگانا درست نہیں ہے جبکہ
اجارہ میں ایسی شرط لگا سکتے ہیں۔

رابعاً: الجعالة عقد جائز غير لازم، فيجوز فسخه، بخلاف الإجارة، فإنها عقد لازم لا يفسخ۔ (الفقه الاسلامی وادلته ۴/۷۸۶ط دارالفکر)

(۴) جعالہ غیر لازم عقد ہے عاقدین میں سے ہر شخص کے لئے
اس کا فسخ کرنا جائز ہے برخلاف اجارہ کے کہ وہ عقد لازم ہے نا
قابل فسخ ہے۔

اجارہ اور اس کی جدید صورتوں میں ہے: جعالہ اور اجارہ میں ایک گونا مشابہت تو ہے؛ لیکن مکمل طور پر جعالہ اجارہ میں شامل نہیں کیونکہ اجارہ میں کام کرنے والے کا تعلق محل عقد سے ہوتا ہے جبکہ جعالہ میں نتیجہ عمل سے ہوتا ہے جیسا کہ ایک آدمی کے ساتھ چوکیداری پر اجارہ کا معاملہ ہوا ہو اور وہ شخص متعینہ مدت میں اپنے مفوضہ عمل کو پورا کرتا ہے تو وہ اجرت کا مستحق ہوگا کیونکہ اس نے

متعینہ مدت میں اپنے عمل کو پورا کر دیا لیکن کسی شخص نے یہ اعلان کیا کہ میری فلاں چیز گم ہوگئی ہے جو اسے ڈھونڈ لائے گا اسے اتنی اجرت (جعل) ملے گا اب چاہے وہ اپنا پورا وقت اسے ڈھونڈنے میں صرف کر دے جب تک چیز نہیں ملے گی وہ اجرت کا مستحق نہیں ہوگا کیونکہ یہاں اجرت کا تعلق نتیجہ عمل سے ہے لہٰذا جب جعالہ پوری طرح اجارہ کے مشابہ نہیں تو اجارہ کا یہ حکم جعالہ پر منطبق کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ (اجارہ اور اس کی جدید صورتوں کے احکام ص ۱۲۴)

حضرت مفتی زبیر اشرف عثمانی دامت برکاتہم نے قانون اجارہ میں جعالہ اور اجارہ کے درمیان اختصار کے ساتھ چھ فرق ذکر فرمائے ہیں:

(جدید معاشی نظام میں اسلامی قانونی اجارہ ص ۱۰۵۔۱۰۶ ط ادارۃ المعارف کراچی)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اگرچہ بعض اوصاف میں جعالہ اجارہ کے مشابہ ضرور ہے؛ لیکن محض اس جزوی مشابہت کی وجہ سے ایک کا دوسرے پر کلی اطلاق وانطباق نہیں ہوسکتا اسی طرح یقینا عقد صیانت کی جعالہ کے ساتھ جزوی مماثلت ضرور ہے لیکن وہ انطباق اور اشتراک فی الحکم کے لئے کافی نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت سے محققین نے عقد صیانت کو جعالہ ماننے کی صراحتہ تردید فرمائی ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

وسوالك الثاني يتعلق بعقد صيانة السيارة ونقلها وان مثل هذه العقود قد انتشرت في عصرنا مثل عقود صيانة السيارات والحاسب الالي والمعدات الكهربائية وغيرها... وقد كيفه بعض المعاصرين على اساس الجعالة ولكنني غير مقتنع تماما على هذا التكييف فان عقد الجعالة تعتمد على عمل نشا سببه عند

العقد۔ (فتاوى عثماني: ۳/ ۴۰۴)

ترجمه: آپ کے دوسرے سوال کا تعلق گاڑیوں کے عقد صیانت سے ہے، اس طرح کے عقود موجودہ دور میں عام ہو گئے ہیں جیسے گاڑی، کمپیوٹر، الیکٹرانک مشین اور سامان وغیرہ کی صیانت جانچ پڑتال اصلاح ومرمت وغیرہ کا عقد بعض معاصرین نے جعالہ پر اس کی تطبیق کی ہے؛ لیکن مجھے اس انطباق پر کلی طور پر شرح صدر نہیں ہے؛ کیونکہ عقد جعالہ کی بنیاد ایسے عمل پر ہوتی ہے جس کا عقد کے وقت سبب وجود میں آچکا ہو۔

اسی طرح شیخ محمد مختار السلامی حفظہ اللہ بعض حضرات کے حوالہ سے جعالہ کا قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وهذا خطأ في تصور عقد الصيانة، إذ لا تنطبق أحكام الجعالة على الصيانة.

ترجمه: یہ عقد صیانت کے سلسلے میں غلط تصور ہے کیونکہ صیانت پر جعالہ کے احکام لاگو نہیں ہوتے۔

۱۔إن عقد الصيانة عقد لازم للطرفين بعد توقيعه منصوص فيه متى يمكن أحد الطرفين من نقضه، ولا يكون ذلك إلا لقوة قاهرة كحرق المعمل أو حدوث حرب أو زلزال ونحو ذلك، واختياريا عند انتهاء الفترة المحددة من العقد، مع شرط إعلام الطرف الراغب في عدم تجديد العقد للطرف الثاني إعلاما موثقا أنه لا يرغب في تجديد العقد. أما عقد الجعل فهو غير لازم.

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ معاہدہ کے بعد عقد صیانت فریقین کے لئے لازم ہو جاتا ہے معاہدہ میں ہی اس کی تصریح بھی ہوتی ہے کہ

عاقدین اسے کب ختم کرسکتے ہیں اور یہ دوصورتوں پر ہوتا ہے:

(الف) اضطراری، اور اس کا موقع کسی مضبوط سبب کے پیش آنے کی صورت میں ہی ہوگا، مثلاً کارخانہ اور فیکٹری کا جل کر خاکستر ہوجانا یا جنگی صورتحال پیدا ہوجائے یا شدید زلزلہ وغیرہ آجائے۔

(ب) اختیاری جو عقد کے متعینہ دور اپنے کے ختم ہونے کی صورت میں ہوگا، بشرطیکہ تجدید عقد میں دلچسپی نہ رکھنے والے عاقد فریق ثانی کو باوثوق طور پر باخبر کردے کہ وہ نیا عقد کرنے کا خواہش مند نہیں ہے؛ بہر حال عقد جعالہ تو وہ لازم ہی نہیں ہے ہر فریق جب چاہے فسخ کرسکتا ہے۔

٢- إن الجعل لا يتسلم منه العامل شيئا إلا بعد إتمام العمل، فإذا لم يرد العبد أو الدابة فلا شيء له، وإذا حمل المتاع وتركه في نصف الطريق فلا يستحق، إلا إذا انتفع المالك بالمسافة التي قطعها حسبما هو مبني في المذاهب الفقهية- أما في عقود الصيانة فإنه ينص فيها على أن أجر الصائن مستحق عن كل فترة ويقبضها الصائن إما بالتنصيص على أنها مقدمة في أول الشهر أو يقبضها عند نهاية كل شهر.

(٢) جعالہ میں عامل اس وقت جعل کو لے سکتا ہے جب وہ عمل مکمل کردے؛ لہٰذا اگر وہ بھاگے ہوئے غلام گم شدہ جانور کو نہیں لا سکا تو اسے کچھ بھی نہیں ملے گا خواہ کتنی بھی محنت کرے اس کے برخلاف جب اجیر سامان اٹھا کر تھوڑی دور لے جائے اور آدھے

راستے پر چھوڑ دے تو اگر مالک کو اس طے کردہ مسافت سے فائدہ ہوا ہے، مثلا کرایہ وغیرہ کم ہو گیا تو اس صورت میں اجیر بعض عمل پر بھی اجرت کا مستحق ہوگا جیسا کہ فقہی مذاہب میں مصرح ہے، جہاں تک عقد صیانت کی بات ہے تو اس میں باقاعدہ تصریح ہوتی ہے کہ صائن کی اجرت ایک متعینہ دورانیے سے لازم ہوگی یا تو شروع مہینے میں صائن کو دیا جاتا ہے یا مہینہ ختم ہونے پر دیا جاتا ہے۔

٣- إن الصيانة عقد محدد بأجل (في إطار عام ثم مخصص)، أعني بذلك أن عقد الصيانة يتم بين صاحب المؤسسة على أنه سيستمر خمس سنوات أو ثلاث سنوات مثلا، وبانتهائها ينتهي العقد ليعاد النظر فيه من جديد. هذا هو الإطار العام. ثم إن لكل طرف في نهاية السنة الحق في فسخ العقد مع إعلام الطرف الثاني قبل مدة محددة بثلاثة أشهر أو أكثر أو أقل برغبته في نهاية العقد، وهذا هو الإطار الخاص. وعقد الجعالة لا يجوز ضرب الأجل فيه. وهاهي نصوص الفقهاء: يقول خليل في الإجارة: وفسدت مع جعل. يعلق عليه في الشرح الكبير: في صفقة واحدة لتنافرهما، لما في الجعل من عدم لزومه بالعقد، وجواز الغرر، وعدم الأجل، أما الإجارة فإنها تلزم بالعقد، ويجوز فيها الأجل ولا يجوز فيها الغرر.

ويقول الهيثمي: عن الجعالة تفارق الإجارة في جوازها على عمل مجهول وصحتها مع غير معين، وكونها جائزة، وعدم استحقاق العامل تسليم الجعل إلا بعد تسليم العمل، فلو شرط

تعجيله فسد المسمى ووجبت أجرة المثل.

والملاحظ أن الجهالة في الجعالة ليست شرطا فيها، وإنما تجوز فقط. قال في التحفة: وتصح على عمل مجهول وكذا معلوم في الأصح لأنها إذا جازت مع الجهل فمع العلم أولى.

ويقول ابن قدامة: لأن الجعالة يحتمل فيها الغرر، وتجوز مع جهالة العمل والمدة بخلاف الإجارة، وأن عقد الجعالة عقد جائز، وأن الإجارة إذا قدرت بمدة لزم العمل في جميعها ولا يلزمه العمل بعدها . فهذه نصوص المذاهب تنفي أن يتصور في عقد الصيانة أنه عقد جعالة۔ (مجلة مجمع الفقه الإسلامي: ۳۲۹/۱۱)

(۳) عقد صیانت میں مدت کی تحدید ہوتی ہے اور یہ تحدید مدت عمومی دائرے میں بھی ہوتی ہے اور خصوصی دائرے میں بھی عمومی دائرہ کا مطلب یہ ہے کہ مالک کمپنی سے یہ معاہدہ ہوتا ہے کہ عقد صیانت مثلاً پانچ سال یا تین سال کے لیے ہوگا اور مدت پوری ہوتے ہی مکمل ہو جائے گا تاکہ نیا معاملہ کرنے پر عقد کیا جاسکے یہ تحدید مدت کا عمومی دائرہ ہے، پھر سال کے اختتام پر ہر فریق کو عقد کے فسخ کرنے کا اختیار ہے بشرطیکہ ایک مخصوص مدت مثلاً تین سال یا کچھ کم وبیش گزرنے سے پہلے پہلے فریق ثانی کو فسخ سے باخبر کردے یہ تحدید مدت کا خصوصی دائرہ ہے اور عقد جعالہ میں مدت کی تعیین نہیں ہوتی، چنانچہ فقہاء کی تصریحات درجہ ذیل ہیں:

علامہ خلیل الخرشی اجارہ کے بارے میں لکھتے ہیں جعالہ کے ساتھ اجارہ فاسد ہو جائے گا، علامہ دردیر اس کی شرح کرتے ہوئے

الشرح الکبیر میں لکھتے ہیں یعنی ایک ہی صفقہ میں مشروط طریقے پر کیونکہ احکام کے اعتبار سے دونوں الگ الگ ہیں مثلاً جعالہ عقد سے لازم نہیں ہوتا اس میں جہالت وغرر قابل تحمل ہوتا ہے مدت طے نہیں ہوتی جبکہ اجارہ عقد لازم ہے مدت کی تعیین شرط ہے اس میں غرر وجہالت جائز نہیں ہے۔

علامہ ہیثمی لکھتے ہیں جعالہ اور اجارہ میں فرق ہے جعالہ عمل مجہول پر بھی درست ہے عامل غیر معین کے ساتھ بھی صحیح ہے عقد جائز غیر لازم ہے جعالہ میں عامل تکمیل عمل اور فراہمی نتیجہ کے بعد ہی اجرت کا مستحق ہوسکتا ہے؛ لہٰذا اگر حصولِ نتیجہ سے پہلے ہی پیشگی اجرت کی شرط لگا دی تو تسمیہ فاسد ہو جائیگا اور اجرت مثلی لازم ہوگی۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جعالہ میں عمل ومدت کا مجہول ہونا یہ کوئی بطور شرط نہیں ہے بلکہ یہ صرف گنجائش اور توسع ہے صاحب تحفہ لکھتے ہیں جعالہ صحیح قول کے مطابق عمل مجہول اور عمل معلوم دونوں پر صحیح ہو جاتا ہے اسلئے کہ جب جہالت کے ساتھ جائز ہے تو عدم جہالت کے ساتھ تو بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔

ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: اسی لئے کہ جعالہ میں غرر قابل تحمل ہوتا ہے اور یہ عمل و مدت کی جہالت کے باوجود جائز ہوتا ہے برخلاف اجارہ کے نیز عقد جعالہ عقد جائز یعنی غیر لازم ہوتا ہے اور اجارہ میں جب ایک مدت طے ہو جاتی ہے تو اب پوری مدت عمل لازم ہو جاتا ہے البتہ مدت کے بعد لازم نہیں ہوتا۔ الغرض

ائمہ مذاہب کی تصریحات ہیں جو واضح طور پر عقد صیانت کے
جعالہ قرار دیے جانے کے منافی ہیں۔

اسی طرح شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے زیر نگرانی اس موضوع پر جو دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی سے فتوی صادر ہوا ہے اس میں بھی مختلف فروق ذکر کر کے اس تکییف وتطبیق کا رد کیا گیا ہے۔ ضروری اقتباس ملاحظہ ہو: ہمارے خیال میں "عقد الصیانۃ" اور" جعالہ" کے درمیان کئی ایسے فروق ہیں جن کی وجہ سے" عقد الصیانہ کو" جعالہ نہیں کہا جا سکتا۔ مثلا:

(الف)" جعالہ" میں جس کام کے عوض صلہ دیا جاتا ہے اس کام کا سبب پہلے سے موجود ہوتا ہے (كالجعل على رد العبد الآبق، فإنه يعطى بعد، تحقق سببه وهو اباق العبد) اور" عقد الصیانہ میں عقد کے وقت صلہ کا سبب موجود نہیں ہوتا، کیونکہ عام طور سے عقد کے وقت وہ چیز خراب نہیں ہوتی، اور آئندہ بھی خرابی اور اس کی نوعیت اور مقدار کا یقین نہیں ہوتا۔

(ب) جعالہ" ایسا عقد ہے جو فریقین میں سے کسی ایک پر لازم نہیں ہے، جبکہ "عقد الصیانۃ عقد لازم ہوتا ہے، اگر اس چیز میں خرابی آگئی تو صائن (گارنٹی دینے والے فریق) کے لئے اس کو درست کرنا ضروری ہوتا ہے۔

(ج) جعالہ میں کام کرنے والا اجرت کا مستحق تب بنتا ہے جب وہ کام مکمل کرلے، اور عقد الصیانۃ میں ہر حالت میں اجرت دینی ہوتی ہے اگر چہ اس کام کی نوبت ہی نہ آئے۔

(د) جعالہ میں جاعل کا مقصد اس وقت پورا ہوتا ہے جب مجعول لہ مطلوبہ کام مکمل کر کے دے۔ کچھ کام کرنے سے جاعل کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ جبکہ عقد

الصیانۃ میں اگر صائن، صیانت کی پوری مدت کام نہ کرے، بلکہ کچھ مدت کام کرے تو اس سے بھی مالک سامان کو نفع پہنچتا ہے۔ (فتوی کراچی ص: ۴-۵)

عقد صیانت اور استصناع:

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ عقد صیانت درحقیقت استصناع ہے؛ کیونکہ صائن بسا اوقات خدمات اور آلات و پرزے دونوں حوالہ کرتا ہے جس طرح صانع آرڈر پر کوئی سامان تیار کرکے دیتا ہے، اسی طرح صائن آرڈر پر کسی چیز کو بنا کر دیتا ہے اور یہی استصناع کی حقیقت ہے۔

قال فی البحر: فعلی هذا الاستصناع لغة طلب عمل الصانع و شرعا أن يقول لصاحب خف أو مكعب أو صفار اصنع لي خفا طوله كذا وسعته كذا أو دستاأي برمة تسع كذا ووزنها كذا على هيئة كذا بكذا وكذا ويعطى الثمن المسمى أولايعطى شيئا فيقبل الأخر منه: (البحر الرائق: ٦/١٨٠)

ترجمہ: استصناع کے لغوی معنی ہیں کاریگر سے عمل طلب کرنا اور شرعا یہ ہے کہ کوئی خفین یا برتن کے کاریگر سے یا لوہار سے کہے کہ میرے لیے ایک چمڑے کا موزہ بناؤ لمبائی چوڑائی اتنی ہو یا ہانڈی بناؤ جس میں اتنا کلو آسکے اور وہ اتنے وزن کی ہو کالیٹی اور صفت بھی متعین کردے پھر مقررہ ثمن دیدے یا کچھ بھی نہ دے اور کاریگر اس کو قبول کرے اور اس پر راضی ہوجائے۔

علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں: وبيع عين شرط فيه العمل وهو الاستصناع والمستصنع فيه مبيع عين ولهذا يثبت فيه خيار الرؤية والعمل مشروط فيه۔ (المبسوط للسرخسی: ١٠/٨٤)

ترجمہ: کسی سامان کا فروخت کرنا جس میں عمل بھی شرط ہو تو استصناع ہے اور آرڈر کردہ چیز ہی مبیع ہے اسی وجہ سے اس میں خیار رویت ثابت ہوتا ہے البتہ عمل کی اضافی شرط ہوتی ہے۔

صیانت کو استصناع قرار دینا درست نہیں

لیکن واقعہ یہ ہے کہ عقد صیانت کو استصناع پر قیاس کرنا جعالہ پر قیاس کرنے سے بھی زیادہ بعید تر ہے اور صیانت و استصناع کے درمیان ایسے نمایاں فرق ہیں؛ نیز دونوں کی حقیقتوں اور ماہیتوں میں ایسا بون بعید ہے کہ ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا دن کو رات کہنے کے مترادف ہے ذیل میں اختصار کے ساتھ کچھ فروق ذکر کیے جاتے ہیں تاکہ اس رائے کی حیثیت و حقیقت معلوم ہو۔

پہلا فرق:

عقد استصناع کی حیثیت و حقیقت کے بارے میں اگرچہ اختلاف ہے، پانچ سے زیادہ اقوال ہیں۔ لیکن ان میں تین قول زیادہ مشہور ہیں:

الف: وعدہ بیع ہے یہ بعض مشائخ حنفیہ کا قول ہے۔

ب: ابتداء اجارہ اور انتہاء بیع ہے علامہ شامی وغیرہ نے اسے راجح قرار دیا ہے۔

ج: بیع ہے اکثر مشائخ احناف نے اسے ہی اختیار کیا ہے۔

ان تینوں میں سے آخری قول ہی راجح ہے بہت سے محققین احناف نے اس کی تصریح کی ہے۔

علامہ کاسانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: واما معناه فقد اختلف المشائخ فيه قال بعضهم هو مواعدة وليس ببيع وقال بعضهم هو بيع لكن للمشتري فيه خيار وهو الصحيح۔ (بدايع الصنايع: ۵/۲)

ترجمہ: استصناع کی حقیقت کے بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے بعض حضرات فرماتے ہیں یہ وعدہ بیع ہے حقیقتاً بیع نہیں ہے، جبکہ دوسرے حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ حقیقتاً بیع ہے مشتری کو اس میں خیار حاصل ہے یہی صحیح رائے ہے۔

علامہ کاسانی ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

ثم هو بيع عند عامة مشائخنا وقال بعضهم هو عدة وليس بسديد۔ (بدائع: ۴/۴۴۴)

ترجمہ: پھر جمہور مشائخ کے نزدیک یہ بیع ہے اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ وعدہ بیع ہے لیکن یہ رائے درست نہیں۔

علامہ ابن الہمام اس مسئلہ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والصحيح من المذهب جوازه بيعا لان محمدا ذكر فيه القياس والاستحسان وهما لا يجريان في المواعدة ولانه جوزه فيما فيه تعامل دون ما ليس فيه ولو كان مواعدة جاز في الكل۔

(فتح القدير: ۷/۱۱۰)

ترجمہ: صحیح مذہب یہ ہے کہ استصناع کا جواز بیع ہونے کی حیثیت سے ہے اس لئے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں قیاس و استحسان دونوں کا ذکر کیا ہے اور یہ واضح ہے کہ قیاس واستحسان کا تعلق وعدہ سے نہیں ہے؛ نیز امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں چیزوں میں جواز کی تصریح فرمائی ہے جن میں اس کا عرف ہے، غیر متعارف چیزوں میں جواز نہیں ہے اگر اس کی حقیقت وعدہ ہوتی تو متعارف وغیر متعارف دونوں میں جواز ہوتا۔

صاحب عنایہ علامہ اکمل الدین بابرتی علیہ الرحمہ نے اسے جمہور مشائخ احناف کا مذہب قرار دیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں: واختلفوا فی جوازہ ھل ھو بیع او عدۃ والصحیح أنہ بیع لا عدۃ وھو مذھب عامۃ مشائخنا۔ (العنایہ علی فتح التقدیر: ۱۱۴/۷)

ترجمہ: فقہاء کا اس کی حیثیت میں اختلاف ہے کہ کیا یہ بیع ہے یا وعدہ بیع ہے؟ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ وعدہ بیع نہیں ہے بلکہ بیع ہی ہے۔ یہی جمہور مشائخ احناف کا مذہب ہے۔

الغرض اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عقد استصناع درحقیقت بیع ہے جس میں اصلاتو ان مصنوعات کی فروختگی ہے جو گاہک نے آرڈر دے کر بنوائی ہے، البتہ بائع کی طرف سے عمل وخدمت ضمنا مشروط ہے۔

صاحب بدائع لکھتے ہیں:

قال بعضھم ھو عقد علی مبیع في الذمۃ وقال بعضھم ھو عقد علی مبیع في الذمۃ شرط فیہ العمل .... والصحیح ھو القول الأخیر لان الاستصناع طلب الصنع فما لم یشترط فیہ العمل لا یکون استصناعا فکان ماخذ الاسم دلیلا علیہ. (بدائع: ۲/۵)

ترجمہ: بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ استصناع ذمہ میں واجب شدہ مبیع پر عقد کرنا ہے، جبکہ بعض دوسرے حضرات فرماتے ہیں ذمہ میں ثابت شدہ ایسی مبیع پر عقد کرنا ہے جس میں عمل کی اضافی شرط ہو، دوسری رائے زیادہ صحیح ہے، اس لئے کہ استصناع کے معنی ہی ہیں عمل کو طلب کرنا، اب اگر مشروط نہ ہو تو وہ استصناع ہی نہیں ہوگا تو گویا اس کا نام ہی دوسرے قول کے

ترجیح کی دلیل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ استصناع کا بنیادی مرکز ان مصنوعات اور سامان کی فروختگی ہوتی ہے جو گاہک نے آرڈر دے کر بنوایا ہے؛ البتہ بائع کی طرف سے پیش کردہ خدمات وعمل ضمنا وتبعا مشروط ہوتے ہیں جبکہ عقد صیانت اس کا بالکل برعکس ہے کہ عقد صیانت میں اصل مقصود فراہمی خدمات ہوتی ہے سروس وعمل ہی مقصود ہوتا ہے؛ البتہ صائن کی طرف سے لگائے جانے والے آلات ضمنا وتبعا ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ بہت سی صورتوں میں آلات واشیاء لگانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔

دوسرا فرق:

عقد صیانت کو استصناع پر اس وجہ سے بھی محمول نہیں کر سکتے کہ استصناع میں تکمیل شدہ مصنوعات یعنی فائنل پروڈکٹ (بشمول اپنے سارے پرزوں کے) بنانے والا صانع ہی مہیا کرتا ہے جب کہ عقد صیانۃ میں اصل چیز یعنی مشین وغیرہ مالک مہیا کرتا ہے اور صائن مع پرزے کے صرف خدمات فراہم کرتا ہے۔

قال في البحر: الاستصناع لغة طلب عمل الصانع وشرعا ان يقول لصاحب خف او مكعب او صفار اصنع لی خفا طوله كذا وسعته كذا الخ- (البحر ۶/۱۸۵)

تیسرا فرق:

استصناع کے جائز ہونے کے لئے چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے؛ منجملہ شرائط کے یہ بھی ہے کہ فروخت کردہ چیز کی جنس، نوع، مقدار، کوالیٹی، اور صفات کی تصریح ہو اور وہ چیز کما وکیفا اس طرح متعین ہو جائے کہ کسی طرح نزاع کا

اندیشہ باقی نہ رہے۔علامہ کاسانی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

واما شرائط جوازه فمنها بيان جنس المستصنع ونوعه وقدره وصفته لأنه مبيع فلابد ان يكون معلوما والعلم انما يحصل بهذه الاشياء۔ (بدائع ۴/۴۴۴)

ترجمہ: استصناع کے جواز کی چند شرطیں ہیں منجملہ یہ ہے کہ آرڈر کردہ چیز کی جنس نوعیت کوالیٹی سب واضح ہو؛ کیونکہ وہ مبیع ہے اور مبیع کے لیے ان چیزوں کا معلوم ہونا ضروری ہے اور مکمل علم ان سب چیزوں ہی سے ہوتا ہے۔

وقال ابن عابدين نقلا عن البدائع: من شروطه بيان جنس المصنوع ونوعه وقدره وصفته وان يكون مما فيه تعامل وان لا يكون مؤجلا الخ۔ (الدر مع الرد ۱۵/ ۳۰۳ مطلب في الاستصناع)

جبکہ عقد صیانت میں بوقت عقد یہی نہیں معلوم ہوتا کہ سروس کی ضرورت بھی پیش آئے گی یا نہیں، اگر آئے گی بھی تو کوئی سامان بھی لگانا پڑے گا یا نہیں اگر سامان لگانا بھی پڑے گا تو کتنا اور کون سی کوالیٹی کا الغرض عقد صیانت میں جنس نوع وصف سب مجہول ہوتے ہیں تو پھر اس کو عقد استصناع کیسے مان سکتے ہیں۔

چوتھا فرق:

حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک استصناع کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مصنوع کی حوالگی کی کوئی مدت متعین نہ ہو تعین مدت کے ساتھ استصناع کی حیثیت باقی نہیں رہے گی؛ بلکہ یہ عقد سلم بن جائے گا اور اس میں عقد سلم کی شرائط کا لحاظ ضروری ہوگا جبکہ صاحبین کے نزدیک عدم تاجیل کی شرط

ضروری نہیں دونوں صورتوں میں عرفا استصناع کا رواج ہے؛ لہٰذا بہر دوصورت یہ عقد استصناع ہوگا۔

ومنها ان لا يكون فيه اجل فان ضرب للاستصناع اجلا صار سلما حتى يعتبر فيه شرائط السلم وهو قبض البدل في المجلس ولا خيار لواحد منهما اذا سلم الصانع المصنوع على الوجه الذي شرط عليه في السلم وهذا قول ابي حنيفة رحمه الله وقال ابو يوسف ومحمد هذا ليس بشرط وهو استصناع على كل حال ضرب فيه اجلا او لم يضرب ولو ضرب للاستصناع فيما لا يجوز فيه الاستصناع كالثياب ونحوها اجلا ينقلب سلما في قولهم جميعا۔ (بدائع الصنائع: ۴/۹۴ واما شرائط جوازه زكريا)

ترجمہ: استصناع کی صحت کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ آرڈر کردہ چیز سپرد کرنے کی کوئی مدت مقرر نہ ہو اگر اس کے لئے مدت طے کر دی تو اب یہ عقد سلم بن جائے گا اور اس میں شرائط سلم کا لحاظ ضروری ہوگا، یعنی مجلس عقد میں بدل پر قبضہ کرنا اور خیار رویت نہیں ملے گا، بشرطیکہ کاریگر نے سامان اسی کوالٹی پر تیار کیا ہو جو بوقت عقد مشروط ہو یہ شرط امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک ہے صاحبین کے نزدیک عدم تأجیل مطلقا شرط نہیں ہے اور خواہ مدت متعین ہو یا نہ ہو بہر صورت یہ استصناع ہوگا، ہاں البتہ اگر ایسی چیز میں مدت متعین کیا جس میں استصناع کا عرف ورواج نہ ہو جیسے کپڑے وغیرہ تو اب یہ بالاتفاق عقد سلم بن جائے گا۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں: هذا اذا استصنع شيئا ولم يضرب له اجلا

فاما اذا ضرب له اجلا فانه ينقلب سلما عند ابي حنيفه فلا يجوز الا بشرائط السلم ولا خيار لواحد منهما كما في السلم وعندهما هو على حاله استصناع وذكره الاجل للتعجيل ولو ضرب الاجل فيما لا تعامل فيه ينقلب سلما بالاجماع۔ (بدائع الصنائع: ۴/۴۴۵ باب حکم الاستصناع زکریا دیوبند)

بعض محققین نے لوگوں کی معاشی سہولت کے پیش نظر صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے۔ الدکتور وھبہ الزحیلیؒ لکھتے ہیں:

وقال الصاحبان ليس هنا بشرط والعقد استصناع على كل حال حدد فيه الاجل او لم يحدد لان العادة جارية بتحديد الاجل في الاستصناع ونرى قولهما هو المتمشي مع ظروف الحياة العملية فهو اولى بالاخذ۔ (الفقه الاسلامي وادلته: ۴/۶۳۳)

ترجمہ: اور صاحبین کے نزدیک عدم تاجیل شرط نہیں ہے اور عقد میں مدت متعین کی جائے یا نہ کی جائے بہرصورت وہ استصناع ہوگا؛ کیونکہ عرف میں استصناع کے لیے بھی مدت متعین کرنے کا رواج ہے ہمارے خیال میں صاحبین کا قول ہی عملی زندگی سے زیادہ ہم آہنگ ہے اسی لیے وہی قابل عمل ہے۔

جبکہ عقد صیانت میں بوقت عقد ہی مدت متعین ہو جاتی ہے اور صائن اسی طے شدہ مدت میں خدمات فراہم کرنے کا پابند ہوتا ہے اس لیے حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے قول کے مطابق اس فرق کی وجہ سے بھی ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق کے ذیل میں آئے گا اور صاحبین کے قول کے مطابق اگرچہ یہ فرق نہیں رہے گا لیکن ماقبل کے دوسرے فروق پھر بھی موجود رہیں گے۔

الغرض عقد صیانت میں اگرچہ مرمت کے ضمن میں کچھ سامان اور پرزے لگانے کی بھی شرط ہو تب بھی اسے استصناع پر محمول نہیں کر سکتے اور محض استصناع قرار دیکر جواز کی راہ کو تلاش نہیں کیا جا سکتا۔

عقد صیانت اور اجارہ:

اجارہ اس عقد کو کہتے ہیں جس میں مقررہ مال کے بدلے کسی شخص یا چیز کی منفعت حاصل کی جائے۔

درمختار میں ہے: هي تمليك نفع مقصود من العين بعوض۔

(الدر مع الرد ۹/۵ زکریا)

ترجمہ: کسی شئ کے منافع مقصود کا بالعوض مالک بنانا اجارہ کہلاتا ہے۔

مجمع الانہر میں ہے: هي بيع منفعة معلومة بعوض معلوم دين او عين۔ (مجمع الانہر ۵۱۱/۳)

ترجمہ: متعین منفعت کو طے شدہ عوض کے بدلے فروخت کرنا خواہ وہ دین ہو یا عین اجارہ کہلاتا ہے۔

پھر اگر معقود علیہ عامل کا عمل ہو تو اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) اجارہ خاصہ۔ (۲) اجارہ مشترکہ

اجارہ خاصہ:

جس میں ایک معین شخص کسی دوسرے معین شخص کے لیے (خواہ شخص حقیقی ہو یا حکمی) کام کرتا ہے اور طے شدہ مدت تک اپنے منافع اس کے حوالے کرتا ہے۔

والاجير قد يكون خاصا وهو الذي يعمل لواحد وهو المسمى باجير الواحد۔ (بدائع الصنائع: ۱۶/۴)

فالاجير الخاص او اجير الواحد هو الذي يعمل لشخص واحد مدة معلومة۔ (الفقه الاسلامي وادلته: ۵۶۱/۴)

ترجمہ: کبھی اجیر خاص ہوتا ہے یعنی وہ جو ایک شخص کے لیے خاص اوقات میں کام کرے اسے اجیر خاص کی طرح اجیر واحد بھی کہتے ہیں۔

اجارہ مشترکہ:

جس میں معین فرد تمام لوگوں کے لیے کام کرتا ہے یعنی مستاجر کے ساتھ اپنے منافع پر وقت کی تحدید کے ساتھ عقد نہیں کرتا اور نہ ہی کسی ایک مستاجر کے لیے کام کرتا ہے۔

قد يكون مشتركا وهو الذي يعمل لعامة الناس وهو المسمى بالاجير المشترك۔ (بدائع: ۱۶/۴۔ الفقه الاسلامي وادلته: ۵۶۱/۴)

ترجمہ: کبھی اجیر مشترک ہوتا ہے یعنی وہ سب کے لیے کام کرے۔

صاحب ہدایہ دونوں صورتوں کا فرق واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: بالفعل کوئی عمل انجام دینے اور کوئی کام کر دینے کا عقد ہو تو وہ اجارہ مشترکہ ہے اس صورت میں عمل متعین ہونا ضروری ہے اور اجیر کی منفعت مدت مقررہ تک سونپنے پر عقد ہو تو اجارہ خاص ہے اس صورت میں وقت کی تعیین ضروری ہے۔

الاجارة قد يكون عقدا على العمل كاستيجار القصار والحياط ولا بد ان يكون العمل معلوما وذلك في الاجير المشترك وقد يكون عقدا على المنفعة كما في اجير الواحد ولابد من بيان الوقت۔ (الهدايه: ۲۹۴/۳)

ترجمہ: اجارہ میں کبھی معقود علیہ عمل ہوتا ہے جیسے دھوبی یا درزی سے اجارہ کا معاملہ کرنا اس صورت میں عمل کا معلوم ہونا ضروری ہے یہ اجیر مشترک میں ہوگا کبھی معقود علیہ منفعت ہوتی ہے جیسے کہ اجیر خاص میں اور اس صورت میں مدت کا معلوم و متعین ہونا ضروری ہے۔

ان عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو ملازم رکھا جائے تا کہ اس کی مخصوص خدمات بالعوض حاصل کی جا سکیں اور محل عقد صرف وقت ہو تو اس کو اجیر خاص کہیں گے اور اگر وہ شخص خدمات لینے والے شخص کا ہی پابند نہ رہے بلکہ دوسروں کا کام بھی انجام دے سکتا ہو گویا عقد صرف بالفعل عمل کرنے پر ہو تو وہ اجیر مشترک ہے اجیر خاص محض مدت مقررہ میں اپنے آپ کو مستاجر کے حوالے کرنے سے ہی مستحق اجرت ہو جاتا ہے خواہ عمل کرے یا نہ کرے جب کہ اجیر مشترک کے مستحق اجرت ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ بالفعل عمل پیش کرے اگر وہ عمل نہیں کر سکا تو اجرت کا مستحق نہیں ہوگا۔

ففي الهندية: اختلفت عبارة المشايخ في الحد الفاصل بينهما بعضهم قالوا الاجير المشترك من يستحق الاجر بالعمل لا بتسليم نفسه للعمل والاجير الخاص من يستحق الاجر بتسليم نفسه وبمضى المدة ولا يشترط العمل في حقه لاستحقاق الاجر۔ (الفتاوى الهندية ۵۴۳/۴كتاب الاجارة الباب الثانى والعشرون)

ترجمہ: اجیر خاص اور اجیر مشترک کے درمیان فرق کے سلسلے میں فقہاء کی عبارات مختلف ہیں بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اجیر مشترک وہ ہے جو مفوضہ عمل پورا کرنے پر ہی اجرت کا مستحق

ہو صرف تسلیم نفس سے اجرت کا حقدار نہ ہو اور اجیر خاص وہ ہے
جو کام کے لیے اپنے آپ کو حوالے کرنے اور مدت پوری ہونے
سے ہی اجرت کا مستحق ہو جائے اس کے حق میں استحقاق اجرت
کے لیے تکمیل عمل کی شرط نہیں ہے۔

اس تفصیلی تمہید کے بعد عرض ہے کہ بہت سے محققین و باحثین نے عقد صیانت کو مکمل طور پر عقد اجارہ قرار دیا ہے اور اس پر اجارہ کے احکام لاگو کیے ہیں اس لئے کہ اجارہ میں معاوضے کے بدلے خدمات مہیا کی جاتی ہیں اور عقد صیانۃ میں بھی یہی ہوتا ہے کہ اس میں کوئی فرد یا کمپنی عقد کے ذریعے مخصوص خدمات فراہم کرنے کا پابند بن جاتا ہے اس کے عوض اجرت لیتا ہے۔

البتہ یہ اجیر بعض صورتوں میں اجیر خاص ہوگا اور بعض صورتوں میں اجیر مشترک مثلاً کوئی ورکشاپ سب لوگوں کے لئے خدمت انجام دے رہا ہے کسی خاص کمپنی یا کسی خاص قسم کی مشین و گاڑی کے لیے خدمات مختص نہیں ہیں تو اس ورکشاپ کے تحت کام کرنے والے لوگ اجیر مشترک ہوں گے اور یہ عمل کے حساب سے اجرت وصول کریں گے۔

لیکن اگر یہ کسی خاص فرد یا ادارے کے لیے کام کریں جیسے بہت سے فیکٹری والے کوئی ورکشاپ خود کھولتے ہیں بعض موبائل کمپنیوں کی مخصوص گیلریاں ہوتی ہیں جہاں وہ صرف اسی کمپنی کی گاڑیوں مشینوں اور اسی کے موبائل کی اصلاح و مرمت کرتے ہیں کسی دوسرے کمپنی کا کام نہیں لیتے ہیں اور اس کے بدلے انہیں سالانہ یا ماہانہ طے شدہ اجرت ملتی ہے تو اس صورت میں یہ اجیر خاص ہونگے اور تسلیم نفس ہی سے اجرت کے حق دار ہو جائیں گے چاہے انہیں کام کرنے اور سروس فراہم کرنے کی نوبت نہ آئی ہو۔

الاجير المشترك من يتقبل العمل من غير واحد والاجير الخاص من يتقبل العمل من واحد وانما يعرف استحقاق الاجر بالعمل على العبارة الاولى بايقاع العقد على العمل كما لو استاجر خياطا ليخيط له هذا الثوب او استاجر قصارا ليقصرله هذا الثوب بدرهم وانما يعرف استحقاق الاجر بتسليم النفس وبمضی المدة بايقاع العقد على المدة كما لو استاجر انسانا شهرا ليخدمه۔ (الفتاوى الهندية ۴/۵۴۳ كتاب الاجارة الباب الثانی والعشرون)

ترجمہ: اجیر مشترک وہ ہے جو کئی لوگوں سے کام لے اور اجیر خاص وہ ہے جو صرف ایک فرد سے معاملہ کرے، پہلی صورت میں چونکہ معقود علیہ عمل ہوتا ہے اس لئے اجیر عمل پورا کرنے پر ہی اجرت کا مستحق ہوگا مثلا کسی شخص نے ایک درہم کے بدلے درزی سے متعین کپڑا سلنے یا دھوبی سے متعین کپڑا دھونے پر عقد کیا تو ظاہر ہے درزی سلنے اور دھوبی دھلنے کے بعد ہی اجرت کا مستحق ہوگا اور تسلیم نفس اور مدت پوری ہونے سے اجرت کا استحقاق اس صورت میں ہوتا ہے جب عقد مدت پر ہو مثلا کسی نے خدمت کے لئے ایک شخص کو ایک ماہ کے لئے اجیر رکھا تو ظاہر ہے یہاں تسلیم نفس فی المدت ہی سے اجرت کا استحقاق ہوگا۔

اجارہ قرار دینے میں خرابی:

عقد صیانت کو علی الاطلاق اجارہ قرار دینا اور اس پر اجارہ کے احکام لاگو کرنا مشکل ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ عقد صیانۃ کی بعض صورتیں کسی بھی طرح اجارہ صحیحہ پر

منطبق نہیں ہوتیں، اس لئے کہ صحت اجارہ کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ محل عقد یعنی عمل کی جنس نوع کیفیت مقدار اور مدت سب بوقت عقد معلوم ہو اگر ان میں سے کوئی چیز مجہول ہوگی تو اجارہ فاسد ہو جائے گا۔

درمختار میں ہے: تفسد الاجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد فكل ما افسد البيع مما مر يفسدها كجهالة ماجور او اجرة او مدة او عمل۔ (الدر مع الرد ۹/ ۶۴ زکریا)

ترجمہ: مقتضاء وعقد کے خلاف شرطوں سے اجارہ فاسد ہوجاتا ہے اور اصول یہ ہے کہ جو شرطیں عقد بیع کو فاسد کر دیتی ہیں ان سے اجارہ بھی فاسد ہو جاتا ہے مثلاً محل اجارہ اجرت مدت یا عمل کا مجہول ہونا۔

اور عقد صیانت کی بعض صورتیں وہ ہیں جن میں یہی معلوم نہیں ہوتا ہے کہ نفس عمل کی بھی نوبت آئے گی یا نہیں؟ اگر آئے گی تو اس کی نوعیت کیا ہوگی؟ کتنا عمل پیش کرنا ہوگا وقت کتنا لگے گا صرف عمل ہوگا یا اس کے ساتھ آلات اور پرزے بھی ہونگے پھر وہ پرزے بھی کماو کیفا مجہول ہوتے ہیں تو ان صورتوں کو غرر فاحش اور جہالت کثیرہ کے ساتھ اجارہ پر کیسے منطبق کر سکتے ہیں۔ حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

والواقع ان هذا العقد لا ينطبق تماما على احد من العقود المعروفة في الفقه الاسلامي فان اعتبرناه عقد الاجارة فانه لا يصح على كونه متضمنا للغرر فانه لا يعرف هل تحتاج السيارة الى صيانة او نقل ام لا۔ (فتاوى عثمانى ۳/ ۴۰۴)

ترجمہ: واقعہ یہ ہے کہ عقد صیانت فقہ کی معروف متداول

عقود میں سے کسی پر کلی طور پر منطبق نہیں ہوتا اگر ہم اسے عقد اجارہ قرار دیں تو غرر و جہالت پائے جانے کی وجہ سے یہ تکییف بھی صحیح نہیں ہوگی؛ کیونکہ بوقت عقد یہ معلوم ہی نہیں ہے کے گاڑی میں اصلاح و مرمت اور منتقلی وغیرہ کی ضرورت پڑے گی بھی یا نہیں۔

اسی طرح حضرت شیخ الاسلام مدظلہ کی زیر نگرانی تیار کردہ دار العلوم کراچی کے ایک فتوے میں ہے: اسی طرح عقد صیانۃ کو مطلقا اجارہ کہنا بھی مشکل ہے اس لیے کہ اجارہ میں عمل کا معمول ہونا ضروری ہے؛ جبکہ عقد صیانت میں عمل معلوم نہیں ہوتا عمل کے اندر جہالت فاحشہ اور غرر کثیر پایا جاتا ہے اس لئے کہ کبھی عمل کثیر پایا جاتا ہے اور کبھی عمل کی نوبت ہی نہیں آتی۔ (فتوی ص۶ کراچی)

مبسوط کے درج ذیل جزیئے سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے اگر کسی شخص نے مچھلی شکار کرنے کے لئے نہر کرائے پر لے لیا تو یہ جائز نہیں اس لئے کہ معقود علیہ میں جہالت اور غرر پایا جاتا ہے یہی معلوم نہیں ہے کہ مچھلی ملے گی بھی یا نہیں اگر ملے گی تو کتنی؟

قال ابو یوسف سالت ابا حنیفه عن الرجل استاجر النهر یصید فیه السمك اواستاجر جهة یصید فیها السمك قال لا یجوز وذلك کله من باب الغرر۔ (المبسوط کتاب الشرب ۲۶۸/۱۱)

ترجمہ: امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ سے مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص نے ایک نہر اجرت پر لیا یا نہر کا کوئی متعین حصہ لیا تاکہ وہ مچھلی کا شکار کرے تو کیا یہ درست ہے، آپ نے فرمایا یہ ناجائز ہے اور یہ سب غرر و خطر پر

مبنی معاملات میں سے ہے۔

پھر یہ کہ عقد صیانت میں معقود علیہ منفعت اور عامل کا عمل ہوتا ہے اور جب معقود علیہ عامل کا عمل ہو تو پھر اجارہ یا تو اجارۂ خاصہ ہوتا ہے یا اجارہ مشترکہ اور یہاں نہ تو اجارۂ خاصہ مان سکتے ہیں نہ اجارہ مشترکہ اس لئے کہ اجارۂ مشترکہ کے تحقق کیلئے عمل کا معلوم ومتعین ہونا ضروری ہے جب کہ عقد صیانت میں ایسا نہیں ہوتا اور اجارۂ خاصہ ماننے کے صورت میں یہ اشکال ہوگا کہ اجیر خاص تو اجرت کا مستحق تب بنتا ہے جب وہ اپنے آپ کو مقررہ وقت میں متأجر کے حوالے کرے جب کہ عقود الصیانۃ میں ایسا نہیں ہوتا کیونکہ اس میں تو کام کرنے کا کوئی وقت ہی متعین نہیں ہوتا۔

ایک اشکال:

بعض حضرات نے صائن کو اجیر خاص ہی مانا ہے اور مذکورہ اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ عقد صیانت میں اگرچہ وقت کی تعیین صراحتہ نہیں کی جاتی لیکن صائن چونکہ اس بات کی ذمہ داری لیتا ہے کہ فریقین کے درمیان معاہدہ کے طے شدہ مدت میں اس چیز کے اندر جب بھی متعینہ نوعیت کی کوئی خرابی پائی جائے گی تو وہ اس کو ٹھیک کر کے دیگا، لہٰذا اگر روزآنہ خرابی پائی گئی تو وہ روزانہ وقت دینے کا پابند ہوگا لیکن چونکہ عام طور پر وہ خرابی اتنی جلدی اور زیادہ پیش نہیں آتی بلکہ ضرورت کے وقت ہی متاجر اس کو بلاتا ہے تو گویا متاجر کی طرف سے صائن کو اس بات کی رخصت دی جاتی ہے کہ اگر آپ اس وقت میں اپنا کوئی اور کام کرنا چاہیں تو آپ کو اجازت ہے؛ البتہ جب مجھے ضرورت پڑے گی میں آپ کو اطلاع کر کے بلا لیا کروں گا گویا حکما یہاں بھی وقت کی تعیین ہوتی ہے اور صائن

کا اپنے آپ کو حوالے نہ کرنا درحقیقت مستاجر کی طرف سے تبرعا رخصت کی بنیاد پر ہوتا ہے، لہٰذا یہ اجارہ خاصہ ہو جائے گا۔

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا جواب:

شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اس توجیہ کو ردفرمایا ہے، آپ فرماتے ہیں کہ صائن کو اجیر خاص ماننے کی صورت میں مستأجر کو یہ اختیار ہوگا کہ اگر وہ معاہدہ کی مدت کے دوران کسی کام کی ضرورت پیش آئے بغیر بھی صائن کو اپنے پاس روکنا چاہے تو روک سکے اس لئے کہ مذکورہ توجیہ میں صائن کو صرف بوقت ضرورت بلاکر باقی اوقات میں اس کو رخصت دینا کہ وہ اپنے دوسرے کام کرے یہ مستأجر کی طرف سے تبرع ہے؛ حالانکہ مارکیٹ میں ایسا نہیں ہوتا مستأجر صائن کو مقررہ چیز میں طے شدہ خرابی پیش آئے بغیر اپنے پاس نہیں روک سکتا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اجیر خاص نہیں ہے اس لئے یہ توجیہ درست نہیں ہے۔ (فتوی کراچی، ص:۲ آخر)

الغرض اجارہ علی العمل ماننے کی صورت میں ممکنہ دو ہی شکلیں تھیں: اجیر مشترک یا اجیر خاص اور دونوں ہی باطل ہیں اس لیے اجارہ ماننا مشکل ہے۔

عقد مقاولہ اور صیانت:

عقد مقاولہ یہ کوئی مستقل عقد نہیں ہے نہ کتب فقہ میں اس کی کوئی مستقل شناخت ہے؛ بلکہ درحقیقت یہ ایک مخصوص قسم کے اجارہ یعنی اجارۃ الصنائع کی قبیل سے ہے اہل عرب نے اس کو مقاولہ سے تعبیر کر دیا ہے مقاولہ کی بیشتر شکلیں اجارہ سے متعلق ہیں؛ البتہ اس کی بعض صورتوں پر استصناع اور جعالہ کا بھی

انطباق ہوجاتا ہے۔

الغرض مقاولہ، اجارہ جعالہ اور استصناع میں دائر ہے اس کا کوئی مستقل وجودنہیں ہے۔

شیخ عبدالرزاق السنہوری نے اپنی کتاب الوسیط میں عقد مقاولہ کی تعریف بایں الفاظ کی ہے:

المقاولة عقد يتعهد بمقتضاه احد المتعاقدين ان يصنع شيئا اوان يودى عملا لقاء اجر يتعهد به المتعاقد الآخر۔ (الوسيط ۷/۵ العقود الواردة على العمل)

ترجمہ: مقاولہ ایک ایسا عقد ہے جس کی رو سے ایک فریق دوسرے فریق کی طرف سے طے شدہ اجرت کے بدلے کوئی چیز بنائے یا کوئی عمل پیش کرے۔

اس عقد مقاولہ میں اگر جملہ ساز وسامان مالک کی طرف سے ہو ٹھیکیدار صرف عمل پیش کرے تو شرعا یہ صورت اجارہ کی بنے گی مالک مستأجر اور مقاول (ٹھیکیدار) اجیر ہوگا، اور اگر جملہ ساز وسامان کام کرنے والے کی طرف سے ہوتو شرعاً یہ استصناع کی شکل بنے گی۔

ففى الهندية: والاستصناع ان تكون العين والعمل من الصانع فأما اذا كانت العين من المستصنع لامن الصانع فانه يكون اجارة ولا يكون استصناعا كذا فى المحيط۔ (هندية ۵۱۸/۴)

ترجمہ: اور استصناع میں سامان اور عمل کاریگر کی طرف سے ہوتا ہے؛ لہٰذا اگر سامان آڈر دینے والے کی طرف سے ہو کاریگر کی طرف سے نہ ہوتو یہ استصناع نہیں بلکہ اجارہ کی شکل بنے گی۔

حضرت مولانا زبیر اشرف عثمانی صاحب لکھتے ہیں: ٹھیکیداری میں بعض صورتیں اجارہ میں آتی ہیں مثلاً کوئی شخص مکان بنانے میں لکڑیوں کا یا لوہے کا کام کرنے کا ٹھیکہ کسی ٹھیکیدار کو دے اور یہ ٹھیکہ بغیر ساز وسامان (without material) کے ہو تو یہ صورت اجارہ کی ہے اسی طرح اگر ٹھیکہ ساز وسامان کے ساتھ ہو تو یہ استصناع میں آجاتی ہے اور اگر ٹھیکہ کسی ایسی چیز کا ہو جس کا ہونا غیر یقینی ہو جیسے کسی شخص نے کہا کہ میں تمہیں ویزا دلوادوں گا یا فلاں چیز کا لائسنس دلوادوں گا اور اس پر اجرت طے کرے تو یہ صورت جعالت سے تعلق رکھتی ہے۔

(قانون اجارہ، ص ۱۲۵)

الغرض جب عقد مقاولہ کوئی مستقل عقد نہیں ہے بلکہ اجارہ، جعالہ، استصناع، میں دائر ہے اور صیانت کا ان عقود پر عدم انطباق ماقبل میں تفصیلا آ گیا ہے تو مقاولہ پر منطبق کرنے کا سوال بے محل ہے۔

عقد مستقل اور صیانت:

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ ایک مستقل عقد ہے اس کی استقلالی حیثیت ہے الگ شناخت ہے عقود متعارفہ میں سے کسی پر پورے طور پر منطبق نہیں ہوتا بلکہ اسے مستقل نام اور امتیازی تشخص حاصل ہے؛ البتہ اس کی مختلف صورتوں کے الگ الگ احکام ہوں گے۔

ان حضرات کی بنیادی دلیل یہ ہے کہ عرف میں اس کو ایک الگ عقد تصور کیا جاتا ہے، عقد اجارہ استصناع یا جعالہ نہیں سمجھا جاتا؛ نیز ہر چیز کی ایک اعتباری حقیقت ہوتی ہے محض چند مشابہتوں کی وجہ سے ایک پر دوسرے کا کلی انطباق واطلاق نہیں کیا جاسکتا جزوی مشابہتیں تو بہت سی عقود میں پائی جاتی ہیں؛ لیکن

ان کو عقد واحد نہیں کہا جاسکتا۔

مثال کے طور پر عقد نکاح میں ملک بضع کے عوض مہر واجب ہوتا ہے لیکن اس کی وجہ سے اسے عقد اجارہ نہیں کہا جاسکتا بلکہ نکاح ایک مستقل عقد ہے، اسی طرح عقد مزارعہ اور عقد مساقاہ کو بھی پیش کیا جاسکتا ہے غرض ہر عقد کی اپنی ایک جداگانہ حقیقت ہے جو مخصوص پس منظر میں اور مخصوص مقاصد کے تحت وجود میں آتا ہے، اس لئے ان کو ایک دوسرے کے تابع کر کے مکمل طور سے نہیں سمجھا جاسکتا، عقد صیانت بھی ایک مخصوص تناظر میں مخصوص مقاصد کے تحت وجود میں آیا ہے اس کا اپنا ایک ڈھانچہ ہے اس کو کسی دوسرے عقد کے پس منظر میں دیکھنا اس کے اپنے پس منظر سے کاٹ دینے کے مترادف ہوگا۔

پھر جن صورتوں میں صائن کوئی محنت و عمل نہ کرے وہاں ذمہ داری لینے کی بنیاد پر اجرت کا استحقاق ہوگا کیونکہ ذمہ داری لینے کی وجہ سے اسے ذہنا وعملا سروس کی فراہمی کے لیے تیار رہنا پڑے گا اور اس صورت میں معقود علیہ (استعداد الشرکۃ او الشخص للقیام بالخدمات) یعنی اپنی خدمات مہیا کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہنا یہی محل عقد ہے اور اسی کی بنیاد پر استحقاق اجرت ہے اور محض ذمہ داری کی بنا پر مستحق اجرت ہونے کی شریعت میں نظیر ہے، چنانچہ عقد شرکت میں ذمہ داری کی بنیاد پر ہی نفع میں حصے کا استحقاق بنتا ہے اگرچہ عملا کام کی نوبت نہ آئے اس طرح صائن کو بھی ذمہ داری لینے کی بنا پر اجرت کا مستحق قرار دیا جاسکتا ہے اگرچہ عملا کام کی نوبت نہ آئے۔

عقد مستقل پر اشکال:

اس رائے پر دار العلوم کراچی کے فتوے میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
جہاں تک اس رائے کا تعلق ہے تو اس سے متعلق عرض ہے کہ کسی عقد کو عقد مستقل قرار دینے کے لیے بھی کوئی مبنی ہونا ضروری ہے؛ کیونکہ عقود معاوضہ مالیہ دو طرح کے ہیں: ایک قسم وہ عقود ہیں جن میں کسی عین کے عوض میں مال لیا جاتا ہے، جیسے بیع۔ دوسری قسم وہ عقود ہیں جن میں منفعت کے عوض اجرت کے طور پر مال لیا جاتا ہے، جیسے اجارات، جعالہ وغیرہ۔

اب سوال یہ ہے کہ "عقد الصیانہ میں صائن جو فیس لیتا ہے، وہ کس چیز کے عوض لیتا ہے؟ یہ بات تو واضح ہے کہ وہ سامان کے مالک کو کوئی عین نہیں دیتا، اس وجہ سے عقد الصیانۃ کو پہلی قسم عقود میں تو داخل نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح صائن کا سامان کے مالک کو منفعت یعنی اس چیز میں آنے والی خرابی کو ٹھیک کر دینا بھی یقینی نہیں، بلکہ اس میں جہالت کثیرہ ہے۔ اس لیے یہی کہنا پڑے گا کہ یہ فیس صرف اس چیز کو ٹھیک کرنے کی ذمہ داری لینے کی بناء پر لی جاتی ہے، چنانچہ انہوں نے یہی کہا کہ اس عقد میں اصل معقود علیہ (استعداد الشرکۃ أو الشخص للقیام بالخدمات) ہے، یعنی صائن کا اپنی خدمات مہیا کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہنا۔

لیکن محض اس استعداد اور ذمہ داری لینے کی بناء پر فیس لینے کو جائز نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اگر اس کو جائز کہا جائے تو پھر بیع الخیارات (یعنی آپشنز کی بیع) کو بھی جائز کہنا پڑے گا، اس میں بھی آپشن دینے والا شخص یہ ذمہ داری لیتا ہے کہ وہ مقررہ تاریخ تک اس شخص کو جس کو وہ آپشن دے رہا ہوتا ہے۔ مقررہ چیز بیچے گا یا

اس سے خریدے گا، اوراس اطمینان دلانے اور ذمہ داری لینے کے عوض فیس لیتا ہے۔اسی طرح خدمات اوراشیاء کا بیمہ بھی درست ہوجائیگا۔لیکن یہ بات واضح ہے کہ محض اس ذمہ داری لینے کی بنیاد پر بیع الخیارات کو جائز نہیں کہا جاسکتا، اور نہ ہی اس بنیاد پر خدمات اور اشیاء کے بیمہ کو جائز کہا جاسکتا ہے۔ اس لیے عقد الصیانۃ" کو بھی محض ذمہ داری لینے کی بنیاد پر جائز نہیں کہا جاسکتا۔ (فتوی کراچی ص ۳)

محض ذمہ داری لینے کی وجہ سے استحقاق اجرت کی تردید

صائن کو ذمہ داری لینے کی بناء پر اجرت کا مستحق قرار دیا جائے اس بنیاد کو رد کرتے ہوئے حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں: اگر محض ذمہ داری لینے کی بنیاد پر اجرت لینے کو جائز کہا گیا تو پھر بہت سی ناجائز عقود کو جائز کہنا لازم آئے گا، مثلا بیع الخیارات وغیرہ کیوں کہ بیع الخیارات میں بھی خیار دینے والا شخص اس بات کی ذمہ داری لینے کے عوض اجرت اور فیس لیتا ہے کہ اگر طے شدہ مدت کے دوران فریق ثانی کو مقررہ چیز کی ضرورت پڑی تو وہ اس کو مہیا کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔اب یہاں پر بھی خیار دینے والا شخص مقررہ چیز کو فراہم کرنے کا ضمان لے رہا ہے اور اس کے عوض فیس لیتا ہے لیکن محض ضمان لینے کی بنیاد پر اس کو جائز نہیں کیا گیا۔ (فتوی کراچی ص ۲ آخر)

فقہاء کا یہ طے شدہ ضابطہ ہے: العبرة في العقود للمعاني لا للمباني یعنی عقود میں حقائق اور معانی کا اعتبار ہوتا ہے جس عقد و معاملہ میں جس چیز کی حقیقت پائی جائے گی اس پر اسی کا اطلاق کیا جائے گا جزوی مشابہتوں اور ظاہری الفاظ کا اعتبار نہیں ہوگا اس اصول کے پیش نظر عقد صیانت کی وہ صورتیں

جن میں معقود علیہ (عمل) وجود وعدم کے درمیان دائر ہوتو یہ حقیقت تامین، غرر اور بیع الخیارات کی ہے؛ لہٰذا عقد مستقل قرار دینے کے بجائے یہ اشبہ بالتامین والغرر اور اشبہ ببیع الخیارات ہوگا۔

بیع الخیارات کی حقیقت:

قدیم فقہاء کے یہاں خیار کا مفہوم بہت محدود تھا یعنی بیع کے باقی رکھنے اور فسخ کرنے اور مبیع لوٹانے یا روک لینے میں سے جو صورت بہتر ہو اس کا انتخاب کر لیا جائے نہ اس حق انتخاب کی کوئی فیس مقرر ہوتی تھی نہ اس کی خرید وفروخت ہوتی تھی لیکن موجودہ تجارتی منڈی میں اختیار کا مفہوم بہت وسیع ہو گیا ہے۔ باقاعدہ یہ ایک شئ اور مبیع کے درجہ میں ہو گیا ہے اس کی خرید وفروخت کی جاتی ہے اسے فراہم کرنے پر عوض اور فیس لی جاتی ہے، لہٰذا اصطلاح جدید میں خیار کہتے ہیں کسی خاص چیز کو مقررہ تاریخ تک متعینہ قیمت پر خریدنے اور بیچنے کا حق۔

الدکتور محمد القری لکھتے ہیں: الخيار في عرف التعامل المالي هو حق شراء او بيع سلعة ما في تاريخ محدد بسعر متفق عليه سلفا۔
(مجلة مجمع الفقه الاسلامي العدد ٦/ ١٢٠٥ الجزء الثاني)

ترجمہ: مالیاتی معاملات کے عرف میں خیار سے مراد کسی مقررہ تاریخ تک مقررہ قیمت پر کسی چیز کو خریدنے اور بیچنے کا حق ہے۔

اسی طرح الدکتور احمد الریان لکھتے ہیں: عقد يخول لحامله الحق ببيع أو شراء أو راق مالية أو سلع معينة بسعر معين طيلة فترة زمنية معينة۔ (فقه البيوع المنهي عنها مع تطبيقاتها الحديثة في المصارف الاسلامية ص٢٠)

ترجمہ: ایسا عقد جو اختیار لینے والے کو ایک خاص مدت تک طے شدہ قیمت کے عوض فنانشل پیپرز یا متعین اجناس خریدنے یا

بیچنے کا حق دے۔

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم بیع الاختیارات کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بیع الاختیارات متعینہ مدت کے اندر متفق علیہ ثمن کے عوض کسی چیز کی خرید وفروخت پر طرفین میں سے کسی ایک کے التزام کا نام ہے، مثلاً مستقبل میں کسی کو گیہوں خریدنے کی ضرورت ہو لیکن اس کو یہ اندیشہ ہو کہ ہوسکتا ہے آئندہ قیمت بڑھ جائے تو دوسرا آدمی اس سے کہتا ہے کہ میں گیہوں کی مطلوبہ مقدار آج کی قیمت پر بیچنے کا التزام کرتا ہوں اور تجھے باہمی اتفاق سے متعین شدہ مدت کے اندر خریدنے کا اختیار ہے پھر وہ اس التزام کے بدلے عوض کا مطالبہ کرتا ہے۔

اسی طرح کبھی بائع کو مستقبل میں کوئی چیز فروخت کرنا ہوتی ہے لیکن اسے اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں قیمت گھٹ نہ جائے تو وہ کسی سے متعینہ مدت تک اسی قیمت پر خریدنے کا التزام کراتا ہے اور التزام کرنے والا بائع سے اپنے اس وعدہ کے بدلہ عوض وصول کرتا ہے۔

قال العثمانی: ومن البيوع الشائعة في البورصات العالمية بيع الاختيارات وهو عبارة عن التزام احد الطرفين ببيع شئ او شرائه بسعر متفق عليه خلال مدة معلومة مثل أن يحتاج رجل الى شراء حنطة في المستقبل ولكنه يخشى أن يزداد سعرها فى السوق عند الشراء فيأتى أخر ويقول له اني ملتزم ببيع الكمية المطلوبة من الحنطة بسعر محدد اليوم ولك الخيار فى شرائها من خلال مدة متفق عليها ويتقاضى أجرة مقابل هذا الالتزام ويسمى ثمن الاختيار۔

وعلى عكس ذلك ربما يريد البائع ان يبيع شيئا في المستقبل ولكنه يخشى أن ينتقص سعره عند البيع فياتى آخر فيقول انى ملتزم بالشراء فى ذلك التاريخ بسعر نحدده اليوم ولك خيار في ان تبيعه مني خلال مدة تتفق عليها ويتقاضى الملتزم أجرةً مقابل هذا الالتزام ومثل هذه الاختيارات شائعة اليوم في بيع اسهم الشركات والعملات والسلع الدولية- (فقه البيوع للعثماني: ۲۷۶/۱۔۲۷۷ الباب الثالث)

ترجمہ: عالمی منڈیوں کے اندر خرید و فروخت کی رائج صورتوں میں سے ایک بیع الاختیارات ہے، اور یہ متعینہ مدت کے اندر متفق علیہ ثمن کے عوض کسی چیز کی خرید وفروخت پر طرفین میں سے کسی ایک کے التزام کا نام ہے، مثلاً مستقبل میں کسی کو گیہوں خریدنے کی ضرورت ہو، لیکن اس کو یہ اندیشہ ہو کہ اس وقت قیمت بڑھ جائے گی تو دوسرا آدمی آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں گیہوں کی مطلوبہ مقدار آج کی قیمت پر بیچنے کا التزام کرتا ہوں اور تجھے باہمی اتفاق سے متعین شدہ مدت کے اندر خریدنے کا اختیار ہے، پھر وہ اس سے التزام کے عوض کا مطالبہ کرتا ہے، اس کو ثمن الاختیار کہا جاتا ہے۔

اس کے برعکس کبھی بائع کو مستقبل میں کوئی چیز فروخت کرنا ہوتا ہے؛ لیکن اسے اندیشہ ہوتا ہے کہ تب تک قیمت گھٹ جائے گی تو دوسرا شخص آکر کہتا ہے کہ آج جو قیمت تو متعین کرے گا میں اس کے عوض مستقبل میں خریدنے کا التزام کرتا ہوں، اور تجھے

متعین مدت کے اندر مجھے بیچنے کا اختیار ہوگا، پھر وہ اس التزام کے عوض کا مطالبہ کرتا ہے، موجودہ زمانہ میں اس طرح کے اختیارات کمپنی کے شیئرز، کرنسی اور بین الاقوامی سطح پر تجارت میں رائج ہیں۔

خیار دہندہ اس خیار دینے اور التزام کے بدلہ اجرت بھی وصول کرتا ہے حضرت مولانا اعجاز احمد صمدانی صاحب لکھتے ہیں جب کوئی فرد یا کمپنی کسی شخص کو خیار فراہم کرتی ہے تو وہ اس پر کچھ فیس لیتی ہے بعض مرتبہ خیار حاصل کرنے والا شخص اس خیار کو آگے فروخت کر دیتا ہے اور اس سے فیس وصول کرتا ہے۔ (غرر کی صورتیں ص ۱۵۴)

بیع الخیارات کا حکم:

اس طرح خیار فراہم کر کے اس پر اجرت لینا ناجائز ہے اور یہ کسی مشہور عقد اور جائز معاملہ پر منطبق نہیں ہوتا بلکہ یہ اکل بالباطل کے زمرے میں آئے گا۔

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

وان هذه البيوع باطلة في الشريعة الاسلامية لان البائع فيها لا ينقل الى المشتري مالا ولا حقا ماليا فهو من قبيل اكل اموال الناس بالباطل ..... والواقع ان هذه التعاملات داخلة في المضاربات التى هى اشبه بالمقا مرة منها بالبيع والتجارة وذلك ان بائع الاختيار لا يملك عادة ما يلتزم ببيعه وانما يدخل في هذا الالتزام على اساس التوقعات التي يخمنها للمستقبل وكذلك المشتري .... فان هذا الالتزام ليس حقا يقبل الانتقال الى المشتري وانما هو وعد محض من قبيل الملتزم ولا يجوز اخذ العوض على مثل هذا الوعد۔ (فقه البيوع ۱/۲۷۷۔۲۷۸)

ترجمہ: شریعت اسلامی کی رو سے یہ بیوع باطل ہیں، کیونکہ بائع یہاں مشتری کو نہ مال دے رہا ہے اور نہ حق مال، تو یہ ناجائز طریقہ سے لوگوں کے اموال کھانا ہے۔۔۔ درحقیقت یہ معاملات ان مضاربات میں داخل ہیں جو جوابازی کے زیادہ مشابہ ہیں؛ کیوں کہ اختیار کو فروخت کرنے والا عموماً اس چیز کا مالک نہیں ہوتا جس کی بیع کا وہ التزام کر رہا ہے، وہ یہ التزام ان توقعات کی بنیاد پر کرتا ہے جس کا اس نے مستقبل میں تخمینہ لگایا ہے، اور مشتری کا بھی یہی حال ہے؛ کیونکہ یہ التزام ایسا حق نہیں ہے جو مشتری کی جانب منتقل ہو؛ بلکہ ملتزم کی جانب سے وعدۂ محض ہے، اور اس جیسے وعدہ پر عوض لینا درست نہیں ہے۔

عدم جواز کی وجہ:

محض خیار لینے کی وجہ سے اجرت کا عدم جواز اس لیے ہے کہ بیع الخیارات دراصل ایک حق کی بیع ہے جو ایک فریق دوسرے کو مہیا کرتا ہے اور حق حاصل کرنے والا شخص دراصل یہ حق اس لیے خریدتا ہے تاکہ اسے آئندہ کسی مالی نقصان کا سامنا نہ کرنا پڑے گویا یہ حق دفع ضرر کے لئے خریدا گیا ہے ورنہ اصالۃ کسی شخص کو ایسا کوئی حق حاصل نہیں جس کی وجہ سے دوسرا کوئی آدمی اسے کوئی چیز بیچنے یا خریدنے کا پابند کر سکے اور ایسے حقوق جو اصالۃ مشروع نہیں ہوتے بلکہ دفع ضرر کے لئے حاصل کیے جاتے ہیں ان کی خرید و فروخت اور ان کے بدلہ میں عوض لینا جائز نہیں ہوتا۔

علامہ خالد الاتاسی لکھتے ہیں:

ان عدم جواز الاعتياض عن الحقوق المجردة ليس على اطلاقه بل فيه التفصيل وهو ان ذلك الحق المجرد ان كان الشرع جعله لصاحبه لدفع الضرر عنه كحق الشفعة وحق القسم لزوجته وحق الخيار للمخيرة فالاعتياض عنه بمال لا يجوز۔ (شرح المجلۃ: ۱۲۱/۲، نیز دیکھیے غرر کی صورتیں ص ۱۵۵، دیکھیے فقہ البیوع ۲۴۵/۱۔ ۲۰۰ فقہی مقالات: ۶۳/۱ طزمزم دیوبند)

ترجمہ: حقوق مجردہ کے بدلہ میں عوض لینے کا عدم جواز مطلق نہیں ہے؛ بلکہ اس میں یہ تفصیل ہے کہ شریعت نے اس حق مجرد کو صاحب حق کے لیے اگر دفع ضرر کے مقصد سے مشروع کیا ہے جیسے شفیع کے لیے حق شفعہ، عورت کے لیے حق قسم اور مخیرہ کے لئے حق خیار تو ایسے حقوق مجردہ کا عوض لینا جائز نہیں ہے۔

اسی لئے مجمع الفقہ الاسلامی جدہ نے اپنے ساتویں سیمینار میں اس تعلق سے تجویز پاس کی ہے اس میں بھی اسے ناجائز ہی قرار دیا گیا ہے۔ تجویز کا متن درج ذیل ہے:

ان المقصود بعقود الاختيارات الاعتياض عن الالتزام ببيع شي محدد موصوف او شرائه بسعر محدد خلال فترة زمنية معينة او في وقت معين اما مباشرة او من خلال هيئة ضامنة لحقوق الطرفين ان عقود الاختيارات كما تجري اليوم في الاسواق المالية العالمية هى عقود مستحدثة لا تنضوى تحت اى عقد من العقود الشرعية المسماة وبما ان المعقود عليه ليس مالا ولا منفعة ولا حقا ماليا لايجوز الاعتياض عنه فانه عقد غير

جائز شرعا وبما ان هذه العقود لا تجوز ابتداء فلا يجوز تداولها۔

(مجلة مجمع الفقه الاسلامی العدد السابع ۱/۷۱)

ترجمہ: عقود اختیارات کا مقصد کسی موصوف متعینہ چیز کی خرید وفروخت یا متعینہ ثمن کے عوض خرید وفروخت کا ایک متعینہ مدت میں براہ راست یا طرفین کے حقوق کے ضامن ادارہ کے واسطہ سے التزام کا عوض لینا ہے، اور یہ عقود اختیارات جو موجودہ عالمی منڈیوں میں جاری ہیں۔ جدید عقود ہیں جو شرعی عقود میں سے کسی کے تحت داخل نہیں ہیں، اور چوں کہ معقود علیہ نہ مال ہے نہ منفعت اور نہ مالی حق کہ اس کا عوض لینا درست ہو تو شرعا یہ نا جائز عقد ہے، اور یہ عقود ابتداء جائز نہیں تو ان کا تداول بھی جائز نہ ہوگا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ محض التزام، وعدہ اور ذمہ داری لینے کی بنا پر کسی چیز کا لینا جائز نہیں ہوتا اور عقد صیانت کو جن حضرات نے بھی عقد مستقل قرار دیا ہے انہوں نے معقود علیہ ضمان والتزام اور ذمہ داری لینے کو ہی گردانا ہے، لہٰذا صیانت کی ان صورتوں میں بیع الخیارات کی مشابہت پائی جاتی ہے نہ کہ اجارہ وغیرہ کی۔

غرر کی حقیقت:

عقد صیانت کی وہ صورتیں جن میں سروس اور خدمات کی فراہمی غیر یقینی ہوتی ہے وہ صورتیں اجارہ پر منطبق ہونے کے بجائے ان پر غرر کی حقیقت زیادہ نمایاں ہوتی ہے؛ کیونکہ فقہی اصطلاح میں غرر ایسے معاملہ کو کہتے ہیں جس کا انجام

غیر معلوم ہو وجود وعدم کے درمیان دائر ہو۔ یا امر معلق پر متردد ہو فقہاء کرام نے اسی مفہوم کو مختلف الفاظ وتعبیرات میں بیان کیا ہے۔

علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

الغرر ما یکون مستور العاقبة۔ (المبسوط:۱۲/ ۱۹۴ط دار المعرفہ بیروت)

ترجمہ: یعنی غرر وہ معاملہ ہے جس کا انجام پوشیدہ ہو۔

علامہ ابن الہمام لکھتے ہیں:

الغرر ما طوی عنک علمه۔ (فتح القدیر:۶/ ۱۳۶ط کوئٹہ)

علامہ کاسانی نے مزید وضاحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

الغرر هو الخطر الذی استوی فیه طرف الوجود والعدم بمنزلة الشك. (بدائع الصنائع:۵/ ۱۶۳ط راچی)

ترجمہ: یعنی غرر خطر پر مبنی ایسے معاملے کو کہتے ہیں جس میں وجود وعدم دونوں جہتیں برابر ہو یعنی معاملے کے ہونے نہ ہونے میں شک ہو۔

الغرض مشکوک ومتردد، غیر یقینی، مستور العاقبت معاملے کا نام عرف شرع میں غرر کہلاتا ہے۔ اس مفہوم کو علامہ ابن بطال نے سب سے آسان انداز میں بیان فرمایا ہے۔

آپ لکھتے ہیں: الغرر هو ما یجوز ان یوجد وان لا یوجد۔

(شرح البخاری لابن بطال:۶/ ۲۷۲ط ریاض)

یہ وہ عمدہ مفہوم ہے جس سے باآسانی غرر کی حقیقت سمجھی جاسکتی ہے۔

غرر کا حکم:

قرآن پاک نے جا بجا دوسرے کے مال کو ناجائز طریقے سے کھانے سے منع فرمایا ہے ارشاد ہے:

ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل۔ (القران۔البقرہ ۱۸۸)

دوسری جگہ ہے: واخذھم الربا وقد نھو عنه واکلھم اموال الناس بالباطل (القران،النساء ۱۶۱)

غرر اکل بالباطل میں شامل ہے اس کی تصریح بہت سے مفسرین نے کی ہے، ایک جگہ ابن العربی مالکی رحمۃ اللہ علیہ ناجائز معاملات کی چھپن اقسام ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

و لا تخرج عن ثلاثة اقسام وھی الربا والاکل بالباطل والغرر ویرجع الغرر بالتحقیق الی الباطل فیکون قسمین: (احکام القرآن لابن العربی ۱۲/۴۴۔مستفاد از غرر کی صورتیں ۳۳۔۳۴)

ترجمہ: یہ جملہ اقسام مرکزی تین قسموں سے باہر نہیں ہیں یعنی ربا، ناحق مال کھانا، اور دھوکہ بلکہ باریک بینی سے دیکھا جائے تو غرر اکل بالباطل میں شامل ہے اسی لیے دو ہی قسمیں ہوئی۔

غرر کی حرمت وممانعت سے متعلق بے شمار روایات ہیں جو صحاح ستہ اور دیگر مستند مآخذ میں مختلف سندوں کے ساتھ مذکور ہیں۔ابن ماجہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ہے:

عن ابن عباس رضی الله عنه نہی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن بیع الغرر۔ (ابن ماجه ۲/۲۱۹۵ کتاب التجارات)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

عن ابي هريره رضي الله تعالى عنه قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع الحصاة و عن بيع الغرر۔ (مسلم كتاب لبيوع رقم: ۳۶۹۱)

ترجمہ: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کنکری پھینکنے کی بیع اور غرر و خطر پر مشتمل معاملہ سے منع فرمایا ہے۔

الغرض مذکورہ بالا نصوص کی روشنی میں غرر پر مشتمل معاملہ ناجائز ہوگا یہی وجہ ہے کہ جمہور فقہاء اور ائمہ اربعہ کے نزدیک غرر و خطر پر مشتمل معاملہ ناجائز ہے اب صیانۃ کی وہ صورتیں جن میں صرف خرابی آنے پر ہی سروس کی فراہمی ضروری ہو جہاں یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ پوری مدت معاہدہ میں معقود علیہ کو سپرد کرنے کی ضرورت بھی پڑے گی یا نہیں بالفاظ دیگر معقود علیہ وجود و عدم کے درمیان دائر ہے۔ ظاہر ہے کہ یہی غرر کی وہ حقیقت ہے، جو ماقبل میں تفصیلا گزری ہاں اگر منفعت کی سپردگی یقینی ہوتی یا کم از کم مظنون بظن غالب ہوتی تو بھی الغالب کالمتحقق فی الاحکام کے قاعدہ سے اجارہ پر منطبق کیا جاسکتا تھا لیکن موجودہ ہیئت کذائیہ میں یہ اقرب الی حقیقۃ الغرر ہے۔

تامین اور عقد صیانت:

عقد صیانت کی وہ صورتیں جس میں نتیجہ غیر یقینی ہوتا ہے خرابی آنے یا سروس کی ضرورت پیش آنے پر ہی فراہمی خدمات طے ہوتی ہے تامین اور انشورنس کی حقیقت سے زیادہ قریب تر ہیں؛ کیونکہ دونوں میں یہ بات قدر مشترک ہے کہ معقود علیہ مشکوک و موہوم ہے دونوں مالی معاہدہ اور عقود معاوضہ کی قبیل سے ہیں

خطر و غرر بھی دونوں میں مساوی ہے، لہٰذا جس طرح تامین و انشورنس ناجائز ہے، اسی طرح صیانت کی یہ صورت بھی۔

عرب کے مشہور محقق الدکتور محمد انس الزرقاء حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

عقد التامين هو عقد يلتزم فيه المستامن (طالب التامين) بدفع مبلغ معين لقاء التزام المؤمن بدفع تعويض عن الضرر الذي قد يلحق بالمستامن اذاوقع الخطر المؤمن ضده خلال فترةزمنية محددة والصيانة العلاجية الطارئة (غير الدورية) تشبه عقد التامين المذكور سوي ان الصائن لا يلتزم عادة تقديم مبلغ مالي بعوض رب الآلة عن الضرر الناجم عن العطل الطاري بل يلتزم اصلاح العطل وتبديل القطع التالفة حيثما لزم ذلك ..... اذا انفرد عقد الصيانة وحده وكان محصورا بالصيانه الطارئة فقط دون الدورية الوقائية فانه يشبه عقد التامين على الاشياء۔ (مجلة مجمع الفقه الاسلامى. ۱۱/ ۳۹۳ .... بحث الدكتور محمد انس الزرقاء حفظه الله)

ترجمہ: انشورنس کا معاملہ ایک ایسا معاہدہ ہے جس میں پالیسی ہولڈر ایک متعینہ رقم دینے کا التزام کرتا ہے، مستقبل میں پیش آنے والے ضرر کے عوض انشورنس کمپنی کی طرف سے نقصان کا معاوضہ دینے کے بدلہ میں، بشرطیکہ موہومہ ضرر مدت معاہدہ کے دوران پالیسی ہولڈر کو پیش آئے اور غیر مدتی ہنگامی صیانت انشورنس کی مذکورہ حقیقت سے زیادہ قریب ہے، بس فرق یہ ہے کہ مشین اور آلات میں پیدا شدہ خرابی کے نقصان کے بدلہ صائن مالک مشین کو کوئی مالی عوض عام طور پر نہیں دیتا؛ بلکہ وہ

خراب پرزوں کے بدلنے اور خرابی دور کرنے کا پابند ہوتا ہے
جہاں جیسی ضرورت ہو خلاصہ یہ ہے کہ جب عقد صیانت مستقل
ہو کسی عقد کے ساتھ جڑا ہوا نہ ہو اور صرف صیانت **طارئه** کا
معاہدہ ہو نہ کہ متعین دورانیہ سے، تو یہ اشیاء کے انشورنس سے
قریب تر ہے۔

اسی طرح حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

وبالجملة فلم ينشرح صدري حتى الان على تكييف مقبول لهذا العقد ويبدو انه اشبه بالتامين منه بالجعالة او الاجارة۔

(فتاوی عثمانی: ۳/۴۰۴)

ترجمہ: الغرض اب تک بھی عقد صیانت کی کسی قابل قبول
تکییف و تطبیق پر مجھے شرح صدر نہیں ہوا، بظاہر جعالہ اور اجارہ
کے مقابلہ میں انشورنس کی حقیقت زیادہ نمایاں ہے۔

الغرض عقد مستقل قرار دینے کے لیے بھی کوئی مبنی اور بنیاد ہونا ضروری ہے، جبکہ حقیقت تامین اور غرر کی پائی جارہی ہے؛ لہٰذا اطلاق وانطباق بھی اس کے ساتھ ہوگا کیونکہ اعتبار، شرع میں معانی ومقاصد اور حقائق کا ہے:

العبرة في العقود للمقاصد والمعاني لا للالفاظ والمباني ولذا يجري حكم الرهن في البيع بالوفاء۔۔۔ يفهم من هذه المادة انه عند حصول العقد لا ينظر للالفاظ التي يستعملها العاقدان حين العقد بل انما ينظر الى مقاصدهم الحقيقية من الكلام الذي يلفظ به عند العقد لان المقصود الحقيقي هذا المعنى وليس اللفظ ولا الصيغة المستعملة وما الالفاظ الا قوالب للمعاني۔ (درر الحكام في شرح مجلة الاحكام:۱/۲۱)

ترجمہ: عقود میں مقصد ومعنی کا اعتبار ہوتا ہے الفاظ وتعبیرات کا نہیں یہی وجہ ہے کہ بیع وفاء میں دین کے احکام لاگو ہوتے ہیں، اس قاعدہ کا مفہوم یہ ہے کہ بوقت عقد عاقدین کے استعمال کردہ الفاظ نہیں دیکھے جائیں گے؛ بلکہ بولے ہوئے کلام کے مقصد حقیقی پر نظر رکھی جائے گی، اس لیے کہ کلام سے حقیقتا معانی ہی مقصود ہوتے ہیں الفاظ و صیغے تو صرف دال اور معانی کے لئے پیراہن ہوتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر عقد مستقل قرار دیا جائے تو بھی جواز وعدم جواز کے لیے محض اس کا نام اور عقد مستقل کہہ دینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کی حقیقت و ماہیت اور مقصد و معنی ہی دیکھنا پڑے گا اگر غرر وخطر اور تامین وقمار کی حقیقت نمایاں ہوگی تو عدم جواز اور اجارہ صحیحہ وغیرہ پر منطبق ہوتو جواز کی بات کہی جائے، اسی لیے بہت سے محققین نے فرمایا ہے کہ عقد صیانۃ پر تنہا کوئی حکم نہیں لگ سکتا اور منفرد کوئی تکییف نہیں ہوسکتی بلکہ مختلف نوعیتوں کے اعتبار سے الگ الگ صورتوں پر الگ الگ تکییف وانطباق ہوگا چنانچہ بعض صورتیں اجارہ بعض بیع با الشرط اور بعض غرر وقمار میں شامل ہیں یہ رائے استاذ محترم حضرت مولانا مفتی زین الاسلام صاحب قاسمی مفتی دار الافتاء دار العلوم دیوبند کی ہے۔

الغرض عقد صیانت کی مذکورہ بالا حقیقت وتعریف سے واضح ہوگیا کہ صیانت کی جملہ اقسام پر نہ تو پوری طرح اجارہ وجعالہ صادق آتا ہے اور نہ استصناع ومقاولہ اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ صیانت کی جملہ صورتیں اور شکلیں بالکل الگ ہیں اور صیانت اس طرح ایک نیا عقد ہے کہ اس کی کسی قسم پر مذکورہ عقود میں سے کوئی عقد صادق نہیں آرہا ہے؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کی بعض صورتیں بالخصوص

صیانت مفردہ کے اقسام پر اجارہ کی تعریف صادق آتی ہے اور بعض صورتیں تامین وانشورنس اور غرر فاحش کے دائرہ میں آتی ہیں جبکہ بعض صورتیں اجارہ مع شرط فاسد کے ذیل میں آتی ہیں، اس لئے بعض حضرات نے لکھا ہے کہ یہ عقد تو جدید ہے البتہ اس کی صورتوں پر الگ الگ احکامات لاگو ہوں گے۔

الدکتور عیاشی صادق فداد لکھتے ہیں: هو عقد مستحدث مستقل تنطبق عليه الأحكام العامة للعقود ويختلف تكييفه وحكمه باختلاف صوره۔ (استكمال عقود الصيانة ١)

ترجمہ: عقد صیانت مستقل ایک نیا عقد ہے جس پر عقد کے عمومی احکامات لاگو ہوں گے؛ البتہ اس کی تطبیق وحکم صیانت کی الگ الگ شکلوں اور صورتوں کے اعتبار سے ہوگی۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ عقد تو مستقل ہے لیکن اس کے جواز وعدم جواز کا حکم محض عقد صیانت کے نام اور اس کے مستقل یا غیر مستقل ہونے پر نہیں ہوگا؛ بلکہ اس کی شکلوں وصورتوں کے اعتبار سے جواز یا عدم جواز کا حکم لگے گا۔

عقد صیانت مستقل

سوال-۲:

ایسا عقد صیانہ جو مستقل ہو، دوسرے عقد سے جڑا نہ ہو، اور جس میں عقد کرنے والا صرف اصلاح اور مرمت کا ذمہ لیتا ہے، مرمت اور سروس کے دوران لگنے والا سامان معقود علیہ نہیں ہوتا؛ بلکہ اس میں لگنے والا سامان مالک ہی کو دینا ہوتا ہے، اور یہ سروس متعینہ دورانیہ (مثلاً ہر ماہ) سے لازم ہو، تو اس صورت کا کیا حکم ہے؟

جواب:

اگر عقد صیانت مستقل ہو یعنی کسی دوسرے عقد کے ساتھ جڑا ہوا نہ ہو اور صائن کے ذمہ صرف اصلاح و مرمت کا عمل ہو، سروس کے دوران لگنے والے پارٹس اور پرزے مالک فراہم کرے نیز سروس بھی متعینہ دورانیہ سے لازم ہو تو یہ صورت عقد اجارہ میں داخل ہے اور یہ اجارۃ الاشخاص کی قبیل سے ہے، صائن کی حیثیت اجیر کی ہوگی اور گاڑی یا مشین مالک کی حیثیت موجر کی ہوگی۔

البتہ یہ اجیر بعض صورتوں میں اجیر خاص ہوگا جبکہ بعض صورتوں میں اجیر مشترک، مثلاً کوئی ورکشاپ سب لوگوں کے لئے خدمات انجام دے رہا ہے کسی خاص کمپنی یا خاص قسم کی مشین و گاڑی کے لئے خدمات مختص نہیں ہیں تو اس

ورکشاپ کے تحت کام کرنے والے لوگ اجیر مشترک ہوں گے اور یہ عمل کے حساب سے اجرت وصول کریں گے۔ لیکن اگر کسی خاص فرد یا ادارے کے لئے کام کیا جائے جیسا کہ بہت سی فیکٹری والے کوئی ورکشاپ خود کھولتے ہیں یا کسی دوسرے ورکشاپ والے سے یہ ایگریمنٹ کر لیتے ہیں کہ وہ صرف اسی کمپنی کی گاڑیوں اور مشنریوں کی اصلاح و مرمت کریں گے اور اس کے بدلہ انھیں سالانہ یا ماہانہ طے شدہ اجرت ملے گی تو اس صورت میں صائن اجیر خاص ہوگا۔ اجیر مشترک ہونے کی صورت میں معقود علیہ عمل ہوگا اور اجیر خاص ہونے کی صورت میں معقود علیہ منفعت یا متعینہ وقت ہوگا۔ (مستفاد از اجارہ اور اس کی جدید صورتوں کے احکام ۱۶۹ ط جامعہ علوم القرآن گجرات)

ففی البدائع: والاجیر قد یکون خاصا وھو الذی یعمل لواحد وھو المسمی بأجیر الواحد۔ (بدائع الصنائع ۱۲/۴ الإجارة)

فالأجیر الخاص أو أجیر الواحد ھو الذی یعمل لشخص واحد مدة معلومة۔ (کذا فی الفقه الاسلامی وأدلته ۵۶۱/۴)

وقد یکون مشترکا وھو الذی یعمل لعامة الناس وھو المسمی بالأجیر المشترك۔ {بدائع ۱۲/۴}

والأجیر المشترك وھو الذی یعمل لعامة الناس۔ (الفقه الاسلامی وأدلته ۵۶۱/۴)

وفی الھدایه: الإجارة قد یکون عقدا علی العمل کاستیجار القصار والخیاط ولا بد أن یکون العمل معلوما وذلك فی الاجیر المشترك وقد یکون عقدا علی المنفعة کما فی أجیر الواحد ولا بد من بیان الوقت۔ (ھدایه ۲۹۶/۳ اجارہ)

اور اجیر خاص ہونے کی صورت میں اگر چہ معقود علیہ عمل ہوتا ہے لیکن یہاں مدت کے اندر تسلیم نفس عمل کے قائم مقام ہوتا ہے؛ لہٰذا اگر اجیر خاص کی طرف سے تسلیم نفس مدت کے اندر پایا جائے اور کسی وجہ سے مستأجر اس کے عمل سے فائدہ نہ اٹھا پائے تب بھی اجارہ درست ہوگا اور اجیر متعینہ اجرت کا مستحق ہوگا بشرطیکہ مانع عمل عذر خود اجیر کی طرف سے نہ پایا گیا ہو؛ چنانچہ اگر کسی عذر کی وجہ سے خود اجیر عمل پر قادر نہیں ہے تو پھر اب اجرت کا مستحق نہیں ہوگا مثلا وہ بیمار ہو یا بارش کی وجہ سے کام نہ کر سکتا ہو وغیرہ۔

قال فی الدر: ویستحق الأجر بتسلیم نفسه فی المدة وإن لم یعمل وفی الشامی ای إذا تمکن من العمل فلو سلم نفسه ولم یتمکن منه لعذر کمطر ونحوه لا أجر له کمن استوجر شهرا للخدمة أو شهرا لرعی الغنم المسمی بأجر مسمی۔ [الدر مع الرد ۹/۹۵ اجارۃ ط زکریا]

ترجمہ: اجیر خاص مقررہ مدت میں صرف اپنے آپ کو متاجر کے حوالہ کرنے سے ہی اجرت کا مستحق ہو جائے گا چاہے کام کی نوبت نہ آئی ہو شامی میں ہے بشرطیکہ اجیر کام کرنے پر قادر ہو؛ لہٰذا اگر تسلیم نفس تو ہے لیکن کسی عذر کی وجہ سے اجیر خود کام ہی نہیں کر سکتا جیسے تیز بارش وغیرہ تو اب اس طرح تسلیم نفس سے اسے اجرت نہیں ملے گی مثلا کسی کو خدمت کے لیے یا متعینہ بکریاں چرانے کے لئے ایک ماہ کے لئے مقررہ عوض کے بدلے اجیر رکھا گیا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مذکورہ صورت میں صائنین اگر اجیر مشترک ہوں تو جب کسی وجہ سے متعینہ دورانیہ پر اصلاح ومرمت اور سروس نہ ہو سکے تو پھر یہ اجرت کے مستحق بھی نہیں ہوں گے لیکن اگر یہ اجیر خاص ہوں جیسا کہ بعض موبائل کی بڑی کمپنیاں وارنٹی اور گارنٹی پر موبائل فروخت کرتی ہیں اور ان کی مخصوص گیلریاں ہوتی ہیں جہاں مشتری ضرورت پڑنے پر موبائل کی سروس کراتا ہے اور یہ گیلریاں صرف متعلقہ کمپنی کا موبائل ہی لیتی ہیں تو اس معاملہ میں یہ اجیر خاص ہوں گے اور اس صورت میں اگر متعینہ دورانیہ پر سروس فراہم نہ ہو سکے تو بھی وہ کمپنی کی طرف سے اپنی اجرت کے حق دار ہوں گے بشرطیکہ سروس فراہم نہ کرنے کا عذر ان کی طرف سے نہ ہو۔

ایک اشکال:

البتہ اس صورت میں ایک شبہ ہوتا ہے کہ اگر صرف متعینہ دورانیہ ہی سے سروس فراہم کرنا ضروری ہو چاہے اس شیء میں خرابی ہو یا نہ ہو نیز سروس کی کال آئے یا نہ آئے تب تو صحت اجارہ میں کوئی اشکال نہیں ہے، لیکن مارکیٹ میں بالعموم یہ شکلیں ہوتی ہیں کہ اگرچہ متعین وقفہ سے سروس لازم ہوگی لیکن اگر بالفرض گاڑی وغیرہ میں کوئی خرابی آگئی یا مالک کو سروس کی ضرورت پڑی اور اس نے سروس کے لئے کال کیا تو بھی سروس فراہم کرنا ضروری ہوتا ہے گرچہ اس کی مقدار متعین ہوتی ہے اور مدت بھی طے ہوتی ہے۔ تو اب اس صورت میں یہ اشکال ہوگا، کہ خرابی پیدا ہونا یا سروس کے لئے کال آنا یہ ایک مجہول امر ہے اور عقد اجارہ میں معقود علیہ کی جہالت سے اجارہ فاسد ہو جاتا ہے۔

علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد فكل ما أفسد البيع مما مر يفسدها كجهالة ما جور أو أجرة أو مدة أو عمل۔ (الدر مع الرد: ۹/ ۶۴ ط: زکریا)

ترجمہ: مقتضائے عقد کے خلاف شرطوں سے اجارہ فاسد ہو جاتا ہے، لہٰذا ہر وہ چیز جو بیع کو فاسد کردے گی اس سے اجارہ بھی فاسد ہو جائے گا۔ مثلاً معقود علیہ اجرت، مدت یا عمل کا مجہول ہونا۔

جواب:

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہاں معقود علیہ مجہول نہیں ہے کیونکہ کہ معقود علیہ درحقیقت وہ متعین وملتزم سروس ہے جو صائن وقت متعین پر آ کر انجام دے گا اور عاقدین کے درمیان طے شدہ اجرت اس متعین وملتزم سروس کا عوض ہے اور رہا وہ مجہول امر وہ معقود علیہ نہیں ہے بلکہ شرط فاسد ہے اور یہ شرط فاسد ایسی ہے کہ اس کا عرف وتعامل جاری ہو چکا ہے اور نہ یہ مفضی الی المنازعہ ہے؛ نیز جہالت اصل صلب عقد یعنی معقود علیہ اور اجرت میں نہیں ہے بلکہ ایک زائد شئ میں ہے اس لئے یہ عقد اس شرط کے ساتھ بھی درست ہو جائے گا۔

لأن الشرط في البيع إن كان معروفا فإنه يجوز عندهم وأجاز الفقهاء الحنفية بيع النعل بشرط أن يحذوه البائع قالوا انه لا يجوز في القياس لكونه بيعا بشرط الإجارة ولكن جاز استحسانا لمكان العرف ... وإذا كان اصل العقد يجوز للعرف فالشرط في العقد إذا كان متعارفا للجواز أولى۔ (فقه البيوع ۱/ ۴۹۷ الباب الرابع فى الشروط التى ترجع الى صلب العق)

ترجمہ: اس لیے کہ بیع میں شرط اگر متعارف ہوتو حنفیہ کے نزدیک جائز ہے؛ چنانچہ فقہاء احناف نے جوتے کو تسمہ لگا کر دینے کی شرط کے ساتھ فروخت کرنے کو جائز قرار دیا ہے اور یہ تصریح فرمائی ہے کہ یہ صورت بیع میں اجارہ کی شرط ہونے کی وجہ سے قیاساً تو جائز نہیں ہے؛ لیکن استحساناً عرف کی وجہ سے درست ہے اور جب اصل عقد عرف کی وجہ سے جائز ہے تو عقد میں کوئی شرط لگانا بدرجہ اولیٰ جائز ہے بشرطیکہ وہ شرط متعارف ہو۔

صانع مرمت کے ساتھ آلات بھی لگائے

سوال-۳:

ایسا معاہدہ جس میں صانع (سروس کنٹراکٹر) کی جانب سے عمل یعنی سروس، اصلاح ومرمت کے ساتھ ساتھ مشین یا شیٔ میں خراب ہونے والے پرزے اور آلات کے اپنے پاس سے لگانے کی ذمہ داری بھی لی گئی ہو، تو اس صورت کا کیا حکم ہوگا؟ اس میں صفقہ فی صفقہ یا معقود علیہ کی جہالت تو لازم نہیں آئے گی؟

جواب:

پہلی صورت:

اگر صانع اپنی طرف سے عمل یعنی اصلاح ومرمت اور سروس فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ پرزے اور آلات بھی لگائے تو اگر وہ پرزے اور آلات اتنے معمولی اور کم ہوں کہ عادۃ ان کا حساب نہ لیا جاتا ہو تو یہ سامان اور پرزے کالعدم سمجھے جائیں گے اور یہ صورت بھی ماقبل کی صورت یعنی اجارۃ الاشخاص میں داخل ہوگی اور بلاشبہ جائز ہوگی اور اجیر کی طرف سے یہ پرزے وسامان تبرع سمجھے جائیں گے۔

دوسری صورت:

لیکن اگر وہ آلات معمولی نہ ہوں بلکہ حساب اور قیمت میں ان کو بھی شمار کیا جاتا ہو اور یہ سامان لگانے کی ذمہ داری بھی صائن پر ہو تو اگر چہ اس میں صفقہ فی صفقہ اور جہالت وغرر پایا جاتا ہے کیونکہ اجیر اپنا عمل پیش کرنے کے ساتھ ساتھ پرزے اور سامان بھی اپنی طرف سے لگاتا ہے گویا کہ مطلوبہ سامان اس کے ہاتھوں فروخت کرتا ہے تو اجارہ میں بیع کا اجتماع لازم آیا نیز بوقت معاملہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کونسے آلات کتنے اور کس نوعیت کے لگانے ہوں گے تو بوقت معاملہ یہ چیز مجہول ہوتی ہے اس لئے جہالت وغرر بھی پایا جاتا ہے لیکن اجارہ کا یہ معاملہ جائز ہوگا اور عرف وتعامل کی بنیاد پر صائن کی طرف سے سامان لگانے کی شرط بھی درست ہوگی، جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

اس صورت میں چونکہ اصل خرابی صفقہ فی صفقہ کی لازم آرہی ہے اور اسی کے نتیجے میں جہالت وغرر بھی پایا جارہا ہے اس لئے ذیل میں کچھ باتیں صفقہ فی صفقہ سے متعلق عرض کی جاتی ہیں۔

صفقة فی صفقة:

صفقۃ فی صفقۃ کی ممانعت صراحۃ حدیث میں وارد ہے مسند احمد مسند بزار طبرانی ابن حبان اور مختلف مآخذ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث منقول ہے: عن عبد الله بن مسعود رضی الله تعالٰی عنه قال: نہی رسول الله صلى الله علیه وسلم عن صفقتین فی صفقة واحدة۔

(مسند أحمد ۶/۳۲۴ رقم ۳۷۸۳، مسند بزار ۵/۳۸۴ رقم ۲۰۱۷)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعوں رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشروط طریقے پر ایک معاملہ میں دو معاملہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے: قال النبی صلی الله علیه وسلم: لا تحل صفقتان فی صفقة۔ (طبرانی فی الأوسط ۲/۳۶۴ رقم ۱۶۳۳)

علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے اول الذکر حدیث کے رواۃ پر ثقات کا حکم لگایا ہے لیکن بقول مفتی تقی عثمانی صاحب ایک راوی مجروح ہے حضرت لکھتے ہیں:

وقال الهیثمی: رجال أحمد ثقات: ولكن فی اسناده شریک النخعی تكلم المحدثون فی حفظه وله أوهام معروفة۔ (فقه البیوع ۱/۵۰۵ المبحث الرابع)

ترجمہ: علامہ ہیثمی فرماتے ہیں مسند احمد کی روایت کے جملہ رواۃ ثقہ ہیں؛ البتہ اس کی ایک سند میں ایک راوی شریک النخعی ہیں جن کے حفظ کے تعلق سے محدثین نے کلام کیا ہے اور ان کے اغلاط معروف ہیں۔

البتہ تقریباً اسی مضمون کی ایک روایت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے اور اس پر حسن صحیح کا حکم لگایا ہے۔

عن ابی هریرة رضی الله عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم نہی عن بیعتین فی بیعة۔ هذا حدیث حسن صحیح۔ (جامع الترمذی كتاب البیوع باب ۱۸ رقم الحدیث ۱۲۳۱)

بعض حضرات نے ان دونوں حدیثوں کی ظاہری مشابہت کو دیکھ کر دونوں کو ایک قرار دے دیا ہے چنانچہ علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نیل الاوطار میں لکھتے ہیں: معنی صفقتان فی صفقة بیعتان فی بیعة۔ (نیل الاوطار ۵/۱۳۱)

لیکن درحقیقت یہ دونوں حدیثیں ایک نہیں ہیں یعنی دونوں میں تساوی نہیں ہے؛ بلکہ عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے حدیث ابی ہریرہ خاص مطلق ہے جو صرف ایک بیع میں دوسری مشروط بیع کی ممانعت پر دال ہے جبکہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ عام ہے جو ہر طرح کے دو مشروط صفقہ کی ممانعت پر دلالت کرتی ہے، علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں روایتوں کے درمیان یہی فرق بیان کیا ہے:

قال العثمانی وغلط ابن الهمام رحمه الله تعالىٰ من زعم أن الحديثين بمعنى واحد وقال هذا (يعنى حديث بيعتين فى بيعة) أخص منه فإنه فى خصوص من الصفقات وهو البيع بخلاف حديث الصفقتين فإنه عام لكل صفقة سواء كان بيعا أو إجارة ونحوها۔ (فتح القدير: ٨١/٦ بحواله فقه البيوع: ٥٠٦/١)

ترجمہ: علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ان حضرات کے خیال کی تردید فرمائی ہے جو دونوں حدیثوں کو ایک ہی قرار دیتے ہیں اور فرمایا کہ حدیث بیعۃ، حدیث صفقہ کے مقابلے میں خاص مطلق ہے، اس لیے کہ یہ ایک خاص عقد یعنی بیع کے بارے میں ہے جبکہ حدیث صفقہ عام ہے ہر عقد اور معاملہ کو شامل ہے خواہ وہ بیع ہو یا اجارہ وغیرہ۔

مولانا اعجاز احمد صمدانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: صحیح بات یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان عموم وخصوص کا فرق ہے بیعتان فی بیعۃ کے اندر ایک عقد کے اندر بیع ہی کے دو معاملے جمع ہوتے ہیں جبکہ صفقتان فی صفقۃ کے اندر صرف دو معاملات کا پایا جانا کافی ہے خواہ وہ دونوں معاملے بیع کے ہوں یا دونوں نہ ہوں یا

ایک بیع کا ہو اور دوسرا بیع کا نہ ہو؛ لہٰذا اگر اجارہ اور عاریت یا بیع اور اجارہ ایک عقد میں جمع ہو جائیں تو اس معاملہ کو صفقتان فی صفقۃ تو کہا جائے گا لیکن بیعتان فی بیعۃ کہنا درست نہ ہوگا۔ (غرر کی صورتیں ۸۵)

صفقۃ فی صفقۃ کی راجح تعریف:

رہی یہ بات کہ صفقۃ فی صفقۃ سے مراد کیا ہے تو اس بارے میں عرض ہے کہ صفقۃ فی صفقۃ کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں راجح اور معتمد علیہ تفسیر وہ ہے جو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی علیہ الرحمۃ سے نقل کی ہے اور بقول علامہ کشمیری یہی تفسیر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ثابت ہے اور صاحب ہدایہ علامہ ابن الہمام اور علامہ کشمیری نے اسی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے یعنی ایک عقد میں مشروط طور پر کوئی دوسرا عقد کیا جائے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قال الشافعي ومن معنى ما نهى النبى صلى الله عليه وسلم عن بيعتين فى بيعة أن يقول: ابيعك دارى هذه بكذا على ان تبيعنى غلامك بكذا فاذا وجب لى غلامك وجبت لك دارى وهذا ايفارق عن بيع بغير ثمن معلوم ولا يدرى كل واحد منهما على ما وقعت عليه صفقته۔ (ترمذی ۱/۲۳۳ باب ماجاء فى النهى عن بيعتين فى بيعة)

ترجمہ: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بیع میں جو دو بیع کرنے سے منع فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے سے کہے میں اپنا یہ گھر تمہارے ہاتھ اتنے درہم کے عوض بیچتا ہوں اس شرط کے ساتھ کہ تم اپنا یہ غلام

میرے ہاتھ بیچو جب غلام کی بیع میرے لیے ہو جائے گی تو گھر
کی بیع تمہارے لیے ہو جائے گی اور دونوں جدا ہو جائیں اور کسی
کو معلوم نہ ہو کہ کس پر عقد ہوئی ہے اور ثمن کیا ہے۔

علامہ کشمیری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: نقل صاحب المشکوۃ عن الخطابی تفسیر بیعتین فی بیع مثل ما ذکر الترمذی عن الشافعی وھو المختار وھو تفسیر أبی حنیفة فی کتاب الآثار انتھی ذکرہ فی باب النھی عن بیعتین۔ (العرف الشذی علی ھامش الترمذی ۱/۲۳۴)

ترجمہ: صاحب مشکوۃ نے علامہ خطابی سے "بیعتین فی بیع"
کی وہی تفسیر نقل کی ہے جو امام ترمذی علیہ الرحمہ نے امام شافعی
رحمہ اللہ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے، یہی مختار ہے، اور کتاب الآثار
میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے یہی تفسیر ذکر کی گئی ہے۔

حضرت مفتی تقی عثمانی مدظلہ لکھتے ہیں:

والتفسیر الآخر للحدیثین ھو ما ذکرنا من أن یشرط عقد بقعد آخر وھو الذی اختارہ صاحب الھدایہ ورجحہ ابن الھمام رحمھما اللہ تعالیٰ کما فی فتح القدیر۔ (فقہ البیوع: ۱/۵۰۶)

ترجمہ: دونوں حدیثوں کی جو تعریف ماقبل میں ہم نے ذکر کیا
یعنی ایک عقد کو دوسری عقد کے ساتھ مشروط کر کے معاملہ کیا
جائے اسی کو صاحب ہدایہ نے اختیار کیا ہے، فتح القدیر نے اسے
ہی راجح قرار دیا ہے۔

صفقۃ فی صفقۃ کی ممانعت کی علت:

ماقبل کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ صفقۃ فی صفقۃ پر مشتمل معاملہ ناجائز ہے؛ البتہ عدم جواز کی علت کے بارے میں دو نقطہ نظر ہیں:

پہلی علت:

بعض حضرات فرماتے ہیں عدم جواز کی علت یہ ہے کہ اس سے ربا اور سود کا معنی لازم آتا ہے اس لئے یہ معاملہ ناجائز ہے جس کی تائید حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس اثر سے ہوتی ہے جو مصنف عبد الرزاق وغیرہ میں مذکور ہے جس میں صفقۃ فی صفقۃ کے معاملہ کو صراحۃ سود کہا گیا ہے۔ الصفقتان فی صفقة ربا۔ (مصنف عبدالرزاق ۱۳۹/۸ کتاب البیوع رقم ۱۴۶۳۶/۱۴۔ معجم کبیر طبرانی ۳۷۴/۳ رقم ۹۶۰۹)

لیکن حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے اس تعلیل کو مرجوح قرار دیا ہے اور مذکورہ اثر میں ربا کے اصطلاحی معنی کی نفی فرمائی ہے اور چونکہ ربا بالمعنی الأعم ہر بیع محرم اور عقد غیر شرعی پر بولا جاتا ہے اس لئے یہاں بھی یہی عمومی اور مجازی معنی پر محمول کرنے کو ضروری قرار دیا ہے۔ حضرت فرماتے ہیں:

وقد مرَّ أن بعض الفقهاء عللوه بأنه يستلزم الربا...... وربما يتأيد التعليل الأول (أى علة الربا) بقول عبد الله بن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه: الصفقتان فى صفقة ربا، ولكن يملن حمله على كونه عقدا فاسدا لأن لفظ الربا كان كثيرا ما يطلق فى عهد السلف على كل عقد ممنوع شرعا قال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالىٰ: ويطلق الربا على كل بيع محرم، بل قد أطلق هذا اللفظ على كل عمل محرم كما فى قول رسول الله صلى الله عليه

وسلم: إن من أربى الربا الاستطالة فى عرض المسلم بغير حق أخرجه أبوداؤد. ووحب حمل قول ابن مسعود رضى الله تعالٰى عنه على ذلك لأنه لا يصدق عليه المعنى المصطلح للربا.. بل عدم صدقه على الصفقتين فى الصفقة بالطريق الأول ... فالظاهر أنه أراد به عقدا ممنوعا وليس ربا بالمعنى المصطلح. (فقه البيوع: ۱/۵۱۰۔۵۱۱)

ترجمہ: اور سابق میں آچکا ہے کہ بعض فقہاء نے اس کی یہ تعلیل کی ہے کہ اس سے ربا لازم آتا ہے، اور بعض نے مفضی الی النزاع ہونا علت قرار دیا ہے، اور یہ بھی آچکا ہے کہ دوسری تعلیل راجح ہے۔ پہلی تعلیل کی تائید اور حضرت ابن مسعود اللہ کے قول سے ہوتی ہے۔

الصفقتان فى الصفقة ربا۔

ایک صفقہ میں دو صفقے ربا ہیں۔

لیکن اس کو عقد فاسد ہونے پر محمول کیا جا سکتا ہے کیوں کہ اسلاف کے زمانہ میں ربا کا اطلاق ان عقود پر بھی بکثرت ہوتا تھا جو شرعاً ممنوع ہوں، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ويطلق الربا على كل بيع محرم۔

ہر حرام بیع پر ربا کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔

بلکہ اس لفظ کا تو ہر حرام کام پر بھی اطلاق ہوا ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

إِنَّ مِنْ أَرْبَى الرِّبَا الاسْتِطَالَةَ فِي عِرْضِ الْمُسْلِمِ بِغَيْرِ حق.

ترجمہ: ناحق کسی مسلمان کی عزت سے کھلواڑ کرنا سنگین ربا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کو اسی پر محمول کرنا ضروری ہے؛ کیونکہ اس پر ربا کے اصطلاحی معنی صادق نہیں آتے، جیسا کہ ہم سابق میں لکھ چکے ہیں؛ بلکہ ربا صفقۃ در صفقہ پر بدرجہ اولی صادق نہیں آتا؛ کیونکہ جب دو صفقے جمع ہوتے ہیں تو ان دونوں میں سے ہر ایک کا ایک مستقل معلوم عوض ہوتا ہے؛ لہٰذا اس میں بلاعوض زیادتی نہ ہوگی، پس ظاہر یہی ہے کہ ان کی مراد عقد ممنوع تھی، اصطلاحی معنی میں ربا مراد نہیں تھا۔

دوسری علت:

اور صفقۃ فی صفقۃ کے ممانعت کی علت بعض دوسرے حضرات نے یہ بیان کی ہے کہ درحقیقت یہ بیع بالشرط ہے یعنی مقتضاء عقد کے خلاف شرط زائد کے ساتھ بیع ہے اور مفضی الی المنازعۃ ہے اس لئے یہ معاملہ جائز نہیں ہے، محققین ارباب فقہ نے اسی تعلیل کو راجح قرار دیا ہے۔

مفتی تقی عثمانی صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں: وأما الجمهور الذين يمنعون الجمع بين الصفقتين فى سائر العقود فالظاهر أن علة المنع عندهم البيع بشرط يخالف مقتضى العقد وقد مر أن بعض الفقهاء عللوه بأنه يستلزم الربا وبعضهم عللوه بافضائه الى النزاع وقد سبق أن التعليل الثانى هو الراجح۔ (فقه البيوع: ۱/۵۱۰)

ترجمہ: جمہور کے نزدیک ممانعت کی علت ایسی شرط کے ساتھ بیع کرنا ہے جو مقتضائے عقد کے منافی ہے، اور سابق میں آ چکا ہے کہ بعض فقہاء نے اس کی یہ تعلیل کی ہے کہ اس سے ربا لازم آتا ہے، اور بعض نے مفضی الی النزاع ہونا علت قرار دیا

ہے، اور یہ بھی آچکا ہے کہ دوسری تعلیل راجح ہے۔

مذکورہ تفصیل سے جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ صفقہ فی صفقہ کی ممانعت لعینہ نہیں ہے بلکہ لغیرہ ہے یعنی نزاع اور جھگڑے کا سبب بنتا تو اگر صفقہ فی صفقہ کی کسی صورت میں عرف تعامل کی وجہ سے نزاع وغیرہ کا امکان نہ ہو تو پھر وہ صورتیں عموم حدیث سے مستثنیٰ ہوں گی کیونکہ جو ممانعت لغیرہ ہوتی ہے وہ بقاء غیر تک باقی رہتی ہے اگر وہ امر غیر کہیں نہ پایا جائے تو ممانعت کا حکم بھی نہیں پایا جائے گا اور عرف وتعامل سے نص کی تخصیص کی جاسکتی ہے فتاوی دار العلوم زکریا میں ہے صفقہ فی صفقہ کی حدیث میں ممانعت نزاع پر مبنی ہے اور تعامل وعرف کی وجہ سے جن صورتوں میں جھگڑا نہ ہو وہ نہی سے مستثنیٰ ہوں گی۔ (فتاویٰ دار العلوم زکریا ۲۶۸/۵ مرابحہ اور بینک کے احکام)

اور حنفیہ کے یہاں جو شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہو لیکن عرف وتعامل نے اسے قبول کرلیا ہو تو اس شرط کے ساتھ عقد جائز ہوجاتا ہے اس جواز عقد کی وجہ بھی یہی ہے کہ نص میں بیع بالشرط کی ممانعت مفضی الی المنازعہ کی وجہ سے ہے اور عرف وتعامل کی بناء پر یہ نزاع ختم ہوجائے گا۔ حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے فیض الباری کی تعلیق میں اس کی صراحت کی ہے فرماتے ہیں:

وفی جامع الفصولین من اشتری حزمة من الحطب له أن يشترط حمله إلى البيت ۔ وفی الهداية: أن ما تعارف الناس عليه من الشرائط تتحمل فی البيوع قلتُ لأنه لا تفضی الی النزاع (فیض الباری: ۲۲۳/۳)

ترجمہ: جامع الفصولین میں ہے جس نے لکڑی کا ایک گٹھر خریدا تو مشتری بائع پر گھر تک پہنچانے کی شرط لگا سکتا ہے، ہدایہ

میں ہے کہ جن شرائط کا لوگوں میں عرف و رواج ہو جائے وہ
قابل تحمل ہوتی ہے میں کہتا ہوں اس لیے کہ اب امکان نزاع
نہیں ہے۔

اور صفقۃ فی صفقۃ اگر متعارف ہو تو فقہاء احناف نے اس کے جواز کی صراحت کی ہے، مبسوط سرخسی میں ایک ہی نوعیت کے دو مسئلے مذکور ہیں جن میں بیع میں اجارہ یا اعارہ کی شرط لگائی گئی ہے؛ لیکن ان میں سے ایک مسئلہ میں لوگوں کا عرف وتعامل ہے اور دوسرے مسئلہ میں کوئی عرف نہیں ہے؛ چنانچہ علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے عرف وتعامل کی وجہ سے پہلے کو جائز قرار دیا ہے اور دوسرے کے عدم جواز کی صراحت فرمائی گرچہ صفقۃ فی صفقۃ دونوں جگہ تھا ملاحظہ ہو۔

وإذا شترى نعلا بدرهم وشراكا معها على أن يحذوها البائع فهو جائز استحسانا لكونه متعارفا بين الناس وإذا كان أصل العقد يجوز للعرف فالشرط فى العقد إذا كان متعارفا للجواز اولى وإن اشترى ثوبا على أن يخيطه البائع بعشرة فهو فاسد لأنه بيع شرط فيه إجارة فإنه إن كان بعض البدل بمقابلة الخياطة فهى اجارة مشروطة فى بيع وإن لم يكن بمقابلتها شئ من البدل فهى اعارة مشروطة فى البيع وذلك مفسد للعقد، هذا ومسألة النعل فالقياس سواء غير ان هناك استحسانا للعرف ولا عرف هنا فيؤخذ به بالقياس۔ (المبسوط للسرخسى كتاب الإجارة: ۱۵/۱۰۲)

ترجمہ: جب ایک درہم کے عوض جوتا خریدے اور تسمہ بھی،
اس شرط پر کہ بائع اس کو بنا کر دے گا تو یہ استحسانا جائز ہے؛
کیونکہ اس کا تعامل ہے، اور جب اصل عقد عرف کی وجہ سے
جائز ہے تو شرط متعارف بھی جائز ہوگی، اور اگر دس درہم کے

عوض کپڑا اس شرط پر خریدے کہ بائع سل کردے گا تو یہ بیع فاسد ہے؛ کیونکہ یہ ایسی بیع ہے جس میں اجارہ مشروط ہے، پس اگر ثمن کا ایک حصہ سلائی کے مقابل ہو تو یہ اجارہ مشروطہ فی البیع ہے، اور اگر اس کے مقابل کوئی بدل نہ ہو تو یہ اعارہ مشروطہ فی البیع ہے، اور یہ دونوں مفسد عقد ہیں، اس مسئلہ اور جوتے کے مسئلہ کا حکم قیاسا ایک ہی ہے؛ لیکن جوتے میں عرف کی وجہ سے استحسان پر عمل کیا گیا، اور یہاں عرف نہیں ہے، لہٰذا قیاس ہی قابل عمل ہوگا۔

اس طرح کے چند جزئیات جن میں صفقۃ فی صفقۃ ہے لیکن عرف وتعامل کی وجہ سے وہ جائز ہیں۔

صاحب محیط برھانی نے بھی ذکر کئے ہیں، فرماتے ہیں:

إذا دفع الرجل جلدا إلى الاسكاف واستأجره بأجر مسمى على أن يخرز له خفين وسمى له المقدار والصفة على أن ينعل الاسكاف ويُبطِّنه من عنده ووصف له البطانة والنعل فهو جائز استحسانا والقياس أن لا يجوز ووجه القياس في ذلك أن هذا اجارة شرط فيها شراء فتفسد... إلا أنه ترك هذا القياس في باب الخف للتعامل۔ (المحيط البرهاني كتاب الإجارة الفصل ۱۰۵/۱۲۲۳)

ترجمہ: اگر کسی شخص نے موچی کو چمڑا دیا اور متعینہ اجرت کے عوض اس کو دو موزے بنانے کے لیے کہا، اور مقدار وصفت بھی بیان کردی، اس شرط پر کہ موچی اپنی طرف سے نعل اور استر لگائے گا اور نعل واستر کی صفت بھی بیان کردی تو یہ استحسانا جائز

ہے، قیاس کا تقاضہ تو عدم جواز ہے؛ کیونکہ یہ ایسا اجارہ ہے جس میں شراء مشروط ہے، مگر یہ کہ خف کے مسئلہ میں عرف وتعامل کی وجہ سے اس قیاس کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ان سلم رجل غزلا إلى حائك لينسجه وأمره أن يزيد في الغزل رطلا من غزله فقد أجازه الفقهاء سواء كان الغزل الزائد قرضا ام بيعا مع أنه إجارة مشروط فيها القرض أو البيع ولكنه جوز استحسانا وقالوا فإذا كان كلا الأمرين متعارفا فيما بين الناس ترك القياس فيهما وخص به الأثر۔ (المحيط البرهانی كتاب الإجارة فصل: ۳۳ جلد ۱۰۱/۱۲)

ترجمہ: اگر کسی نے کپڑا بننے والے کو سوت بننے کے لیے دیا اور اس کو سوت میں اپنی طرف سے ایک رطل کے اضافہ کا حکم دیا تو فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے، خواہ زائد سوت بطور قرض ہو یا بطور بیع، حالاں کہ یہ ایسا اجارہ ہے جس میں قرض یا بیع مشروط ہے؛ لیکن استحسانا اس کی اجازت دی گئی۔ فقہاء نے لکھا ہے:

فإذا كان كلا الأمرين متعارفاً فيما بين الناس. ترك القياس فيهما وخص به الأثر.

جب دونوں چیزوں کا لوگوں کے درمیان عرف ہے تو قیاس کو ترک کر دیا جائے گا، اور اثر میں تخصیص کر لی جائے گی۔

حضرت تھانویؒ کاایک اہم فتویٰ

اسی طرح ہمارے اکابر ارباب افتاء نے بھی اس طرح کے صفقہ فی صفقہ کے جواز کی بات فرمائی ہے اس سلسلہ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتوی بڑا چشم کشا اور بصیرت افروز ہے۔ذیل میں سوال وجواب ملاحظہ ہو:

سوال: (۶۹) نہی عن صفقۃ فی صفقۃ کے ظاہری معنی کے لحاظ سے بعض امور ناجائز معلوم ہوتے ہیں حالانکہ بکثرت خاص وعام میں شائع ہیں مثلاً گھڑی کی مرمت کہ ٹوٹے ہوئے پرزے کو نکال کر صحیح پرزہ لگا دیگا تو اس پرزے کی تو بیع ہے اور لگانے کا اجارہ، چارپائی بنوانا اور بان اپنے پاس سے نہ دینا اس میں بان کی بیع ہے اور بننے کا اجارہ، سُقہ سے پانی لینا کہ جب اس نے کنویں سے پانی نکال کر اپنے ظروف میں لیا تو اس کی ملک ہوگیا سو پانی کی بیع ہوئی اور وہاں سے لانے کا اجارہ نیز بیع مالیس عندہ بھی، کوئی زیور یا انگوٹھی جڑنے کو دینا کہ نگینوں کی بیع ہے اور لگانے کا اجارہ وغیرہ ذلک من المعاملات الرائجۃ۔

الجواب: تعامل کی وجہ سے کہ بلانکیر شائع ہے جو ایک نوع کا اجماع ہے یہ سب معاملات جائز ہیں پس نص عام مخصوص البعض ہے جیسا کہ فقہاء نے صباغی وخیاطی میں اس کی اجازت دی ہے کہ صبغ اور خیط صانع کا ہوتا ہے اور اس میں اجارہ بھی ہوتا ہے وھذا ظاھر جدا۔ (امداد الفتاوی قدیمی: ۶۳/۳۔ ۶۴ ط مکتبہ دار العلوم کراچی)

صفقہ فی صفقہ پر مشتمل چند جائز صورتیں:

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے صفقۃ فی صفقۃ جو عرف و تعامل کی وجہ سے جائز ہے اس کی چند صورتیں ذکر فرمائی ہیں۔

حضرت الصور المتعارفة للجمع بين صفقات کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

ومما تعورف فی عصرنا أن الناس يلتزمون تقديم مجموعة من الخدمات فی صفقة واحدة بعضها ترجع الى الإجارات وبعضها ترجع إلى البيوع فوكلاء السفر يقدمون خدمات الحج والعمرة مثلا فيلتزمون جميع حاجات المسافر فی صفقة واحدة بما فيها الحصول على التأشيرة وإكمال الإجراءات القانونية وتذاكر عدة من الأسفار الجوية والبرية والإقامة فی فنادق أو فی الخيام فی مواضع متعددة وثلاث وجبات للاكل يوميا مع جهالة نوعها ومقدارها ويتقاضون لهذه المجموعة أجرا مقطوعا، فهذه مجموعة عدة عقود بعضها اجارات و بعضها بيوع وكل واحد منها مشروط بالعقود الأخرى وكذلك أجر الإقامة فی بعض الفنادق تشمل الفطور أوالوجبات الثلاثة مع الجهالة فی نوعها وقدرها فظاهر القياس أن لا يجوز لأنه اشتراط صفقات فی صفقة واحدة مع الجهالة فيما هو مبيع ولكن جرى به التعامل من غير نكير والجهالة غير مفضية الى النزاع فصار هذا المجموع جائزا۔ (فقه البيوع ۱/۵۱۲۔۵۱۳)

ترجمہ: موجودہ زمانہ میں عرف یہ ہے کہ لوگ صفقہ واحدہ میں خدمات کا مجموعہ پیش کرتے ہیں، ان میں سے بعض کا تعلق اجارہ سے اور بعض کا بیع سے ہوتا ہے، مثلاً سفر کے وکلاء حج وعمرہ کی خدمات پیش کرتے ہیں، صفقہ واحدہ میں وہ مسافر کی تمام ضروریات کا خیال رکھنے کا التزام کرتے ہیں، ان میں ویزا کا حصول، قانونی کاروائیوں کی تکمیل، متعدد فضائی اور زمینی اسفار

کے ٹکٹ، ہوٹلوں اور خیموں میں قیام، روزانہ تین وقت کا کھانا
جن کی نوعیت اور مقدار مجہول ہوتی ہے، ان تمام خدمات کے
لیے وہ ایک متعین معاوضہ طلب کرتے ہیں، یہ متعدد عقود کا مجموعہ
ہے جن میں سے کچھ اجارہ اور کچھ بیع ہیں، اور ان میں سے
ہر ایک دیگر عقود کے ساتھ مشروط ہے۔

اسی طرح بعض ہوٹلوں میں قیام کی اجرت میں ناشتہ یا تین وقت
کا کھانا شامل ہوتا ہے اور اس کی نوعیت و مقدار مجہول ہوتی ہے،
قیاس کا تقاضہ تو یہی ہے کہ یہ ناجائز ہو؛ کیوں کہ یہ صفقہ واحدہ
میں متعدد صفقات کو شرط قرار دینا ہے، اور مبیع بھی مجہول ہے؛
لیکن بلانکیر اس کا تعامل جاری ہے، اور جہالت مفضی الی النزاع
بھی نہیں ہے؛ لہٰذا یہ مجموعہ صفقات جائز ہوگا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ صفقہ فی صفقہ کی ممانعت کی علت چوں کہ جہالت و مفضی الی المنازعہ ہونا ہے اور جو معاملہ متعارف ہوگا لوگوں کا اس پر تعامل ہوگا اس کی جہالت بھی مرتفع ہوجائے گی اور امکان نزاع بھی ختم ہوجائے گا اس لئے صفقہ کا وہ معاملہ جائز ہوگا چنانچہ بہت سی چیزیں اس طرح کی بلانکیر ہمارے سماج کا حصہ ہیں؛ لہٰذا مذکور فی السوال صورت جس میں صائن اصلاح و مرمت کی ذمہ داری کے ساتھ سامان و آلات اور پرزے لگانے کی بھی ذمہ داری لیتا ہے یہ اگرچہ اجارہ میں بیع کی شرط ہے لیکن عرف و تعامل کی وجہ سے جائز ہے اس لئے یہ معاملہ بھی بلاشک وشبہ جائز ہے۔

فتاویٰ دارالعلوم زکریا میں ہے: آج کل تو بہت زیادہ ایسے معاملات مروج ہیں جن میں بیع فی بیع یا بیع میں شرط معروف ہوتی ہے جیسے کسی مشین کو خریدنے پر

ایک سال مفت سروس، یا رنگریز کو خواتین کپڑا دیتی ہیں اور خاص قیمت طے ہوتی ہے جس میں رنگ کی بیع اور لگانے کی اجرت یعنی اجارہ ہوتا ہے یا مختلف مشینیں اور گاڑی مکینک کو دی جاتی ہیں وہ درست پرزے بھی لگاتا ہے اور لگانے کی اجرت بھی لیتا ہے، اگر کسی کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوجائے اور مکینک کے پاس گاڑی رکھ دے اور وہ کہہ دے کہ اس میں فلاں فلاں نئے پرزے لگانے پڑیں گے اور گاڑی کی مرمت ہوگی تو کیا یہ بیع و اجارہ کا مجموعہ نہیں ہے؟ بالکل ہے لیکن عرف میں چلتا رہتا ہے بلکہ یہ روزمرہ کے معمول کی طرح ہے اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جو شرط معروف بن جائے یا صفقۃ فی صفقۃ باعث نزاع نہ ہو وہ قابل برداشت ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم زکریا ۵/۲۶۹ ط مجلس البحوث)

صرف ضرورت پڑنے پر سروس کی فراہمی

سوال- ۴:

اگر یہ عقد اس طرح کیا جائے کہ معاہدہ کی متعینہ مدت میں صرف ضرورت پڑنے یا خرابی آنے پر ہی سروس ہوگی، اب کبھی سروس کی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی ضرورت ہی نہیں پڑتی، مگر طے شدہ معاوضہ (سروس کنٹراکٹ فیس) ہر حال میں دینا ہوگا، اس صورت کا کیا حکم ہے؟ اس میں ایسا غرر یا جہالت تو نہیں ہے جو جواز عقد سے مانع ہو؟

جواب:

پہلی صورت:

اگر عقد صیانت کی صورت یہ ہو کہ مدت متعینہ میں صرف ضرورت پڑنے اور خرابی پیدا ہونے پر ہی سروس فراہم کرنا ضروری ہوگا ورنہ نہیں لیکن طے شدہ معاوضہ ہر حال میں دینا ہوگا خواہ سروس ہو یا نہ ہو اب کبھی سروس کی ضرورت پیش آئے گی اور کبھی ضرورت ہی نہیں پڑے گی تو چوں کہ مذکورہ معاملہ میں متعدد جہات سے غرر فاحش اور جہالت کثیرہ پائی جاتی ہے نیز اس میں انشورنس سے مشابہت کا پہلو بھی نمایاں ہے اس لئے یہ معاملہ اصولاً ناجائز ہے کیونکہ اصولی طور پر یہ صورت عقد اجارہ کی ایک قسم اجارۃ الاشخاص کی قبیل سے ہے اور صحت اجارہ

کے لئے ضروری ہے کہ عمل و وقت اور اجرت معلوم ہو لیکن یہاں کئی وجوہ سے جہالت ہے۔

پہلی جہالت:

صائن کا عمل اور وقت دونوں مجہول ہے اس لئے کہ بوقت عقد فریقین میں سے کسی کو یہ معلوم نہیں ہے کہ مشین یا گاڑی میں کوئی خرابی پیش آئے گی یا نہیں؟ اور کس طرح کی خرابی پیش آئے گی؟ - نیز اس کی اصلاح کے لئے صائن کو کیا کیا عمل کرنا پڑے گا؟

دوسری جہالت:

بعض مرتبہ صائن اپنی طرف سے زائد سامان بھی لگاتا ہے اور عقد صیانت کے وقت یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کتنے زائد سامان کی ضرورت ہوگی اور اس کی حیثیت و نوعیت اور قیمت کیا ہوگی؟

تیسری جہالت:

مرمت اور اصلاح کے معیار میں بھی جہالت ہے کیونکہ کاریگر اشیاء کی اصلاح مختلف پیمانوں پر کرتے ہیں بعض صورتوں میں عام درجہ کی مرمت وغیرہ سے کام چل جاتا ہے اور بعض میں اعلی درجہ کی مرمت کی جاتی ہے تا کہ وہ مفید اور دیر پا ہو۔ (مستفاد: اجارہ اور اس کی جدید صورتوں کے احکام: ۱۷۱-۱۷۲)

انہیں امور مذکورہ کی وجہ سے فقیہ العصر مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اس شکل کو ناجائز قرار دیا ہے آپ اسی نوعیت کے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

وسؤالك الثانى يتعلق بعقد صيانة السيارة ونقلها وإن مثل هذه العقود قد انتشرت فى عصرنا مثل عقود صيانة السيارات والحاسب الآلى والمعدات الكهربائية وغيرها والواقع أن هذا العقد لا ينطبق تماما على احد من العقود المعروفة فى الفقه الإسلامي فإن اعتبرناه عقد الإجارة فإنه لا يصلح على كونه متضمنا للغرر فإنه لا يعرف هل تحتاج السيارة الى صيانة أو نقل أم لا --- وبالجملة فلم يشرح صدرى حتى الآن على تكييف مقبول لهذ العقد، ويبدولى أنه أشبه بالتامين منه بالجعالة أو الإجارة۔ (فتاوى عثمانى: ۳/ ۴۰۴ كتاب الإجارة)

ترجمہ: آپ کے دوسرے سوال کا تعلق گاڑیوں کے عقد صیانت سے ہے اس طرح کے عقود موجودہ دور میں عام ہو گئے ہیں جیسے گاڑی، کمپیوٹر، الیکٹرانک مشین اور سامان وغیرہ کی صیانت جانچ پڑتال، اصلاح ومرمت وغیرہ کا عقد۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ عقد صیانت فقہ کی معروف ومتداول عقود میں سے کسی پر بھی کلی طور پر منطبق نہیں ہوتا، اگر ہم اسے عقد اجارہ مانتے ہیں تو یہ جہالت وغرر پر مشتمل ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ بوقت عقد یہ معلوم نہیں ہوتا کہ گاڑی کو اصلاح ومرمت، منتقلی وغیرہ کی ضرورت پیش آئے گی یا نہیں آئے گی؟

خلاصہ یہ ہے کہ اس عقد کی معتبر فقہی تطبیق پر ہنوز شرح صدر نہیں ہے، بظاہر یہ عقد جعالہ اور اجارہ سے زیادہ انشورنس سے قریب تر ہے۔

نیز معاوضات مالیہ میں عوض ومعوض کے درمیان مساوات ضروری ہے جبکہ مذکورہ صورت میں صائن کو طے شدہ عوض بہر حال ملے گا البتہ اصلاح و مرمت اور خدمت ومنفعت کا حصول فریق آخر کے لئے محتمل ہے اگر سروس کی ضرورت پیش آئی تو سروس ہوگی ورنہ نہیں۔ گویا معوض کا حصول وجود وعدم کے درمیان دائر ہے اور یہی غرر کی حقیقت ہے جو مانع جواز ہے۔

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الغرر هو الخطر الذی استوی فيه طرف الوجود والعدم بمنزلة الشك۔ (بدائع الصنائع: ۱۶۳/۵ ط سعید)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

الغرر وهو فی الأصل الحظر، والحظر هو الذی لا يدری أيكون أم لا؟ (عمدة القاری: ۴۳۵/۸ ط ملتان)

علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الغرر ما يكون مستور العاقبة۔ (المبسوط: ۱۹۴/۱۲ ط دار القرآن)

الغرض معاملہ کی مذکورہ صورت مفاسد شرعیہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے؛ البتہ اگر یہ طے کرلیا جائے کہ وقفہ وقفہ سے مشین وغیرہ کو چیک کرنا ضروری ہوگا تو اب یہ شکل درست ہوگی اور اجرت اس وقفہ جاتی چیکنگ کا بدل قرار دی جائے گی۔ ادارۃ المباحث الفقہیہ کے زیر اہتمام اجتماع میں اس صورت کے جواز کی یہی شکل بتائی گئی ہے۔ تجویز کا متن درج ذیل ہے:

''عقد صیانت کی وہ صورت جس میں صائن متعینہ مدت میں حسب ضرورت عند الطلب خدمت کرنے کو تیار رہتا ہو تو اس کی محتاط شکل یہ ہے کہ متعینہ مدت میں کم از کم ایک مرتبہ عملی نگرانی کا التزام کیا جائے تاکہ اجرت عمل کے جواز میں

کوئی شبہ نہ رہے۔"

دوسری صورت:

البتہ اس مسئلہ کی ایک دوسری صورت یہ ہے کہ بہت سی فیکٹری والے کوئی ورکشاپ خود کھولتے ہیں یا کسی دوسرے ورکشاپ والے سے یہ ایگریمنٹ کر لیتے ہیں کہ وہ صرف اسی کمپنی کی گاڑیوں اور مشنریوں کی مرمت کریں اگر اصلاح و مرمت کی ضرورت پیش آئے اور انھیں سالانہ یا ماہانہ طے شدہ اجرت ملے گی اب وہ دکان والے اصلاح و مرمت کے لئے متعینہ مدت میں ہمہ وقت تیار رہتے ہیں اگر ضرورت پیش آئی تو سروس کرتے ہیں ورنہ نہیں لیکن اس کے باوجود انہیں طے شدہ عوض ملتا ہے۔

تو چونکہ اس صورت میں وہ فرد یا ادارہ اجیر خاص ہوگا اور اجیر خاص ہونے کی صورت میں معقود علیہ بعینہ تسلیم عمل نہیں ہوتا بلکہ معقود علیہ منفعت یا متعینہ وقت ہوتا ہے خواہ عمل پایا جائے یا نہ پایا جائے اور اس فرد یا ادارہ کا سروس فراہم کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہنا یہ تسلیم معقود علیہ کے قائم مقام ہوگا اور یہ شکل جائز ہوگی لیکن اگر یہ معاملہ کسی ایسے فرد یا ادارے سے ہو رہا ہے جو خاص اسی مستأجر کی گاڑی یا مشین کی مرمت نہیں کرے گا بلکہ وہ اجیر مشترک ہے جو سب کے لئے کام کرتا ہے تو چونکہ اجیر مشترک ہونے کی صورت میں معقود علیہ عمل ہوتا ہے اور وہ مسئولہ صورت میں مجہول ہے؛ بلکہ متنوع جہالات کا مجموعہ ہے اس لئے معاملہ اس صورت میں فاسد ہوگا۔

الغرض اجارہ خاصہ میں اجیر اپنے منافع مستأجر کے حوالہ کر دیتا ہے پھر مستأجر کو اختیار ہے کہ خواہ وہ منافع استعمال کرے یا نہ کرے اور اجیر مشترک کے ساتھ بالفعل مخصوص منفعت اور عمل پر عقد ہوتا ہے اس صورت میں عمل کا معلوم و

متعین ہونا ضروری ہے اور استحقاق اجرت کے لئے بالفعل منفعت وعمل کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

الإجارة قد يكون عقدا على العمل كاستيجار القصار والخياط ولابد أن يكون العمل معلوما وذلك فى الأجير المشترك وقد يكون عقدا على المنفعة كما فى أجير الواحد و لا بد من بيان الوقت۔ (هدايه: ۲۹۶/۳)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ معاملہ کی مذکورہ صورت اگر اجیر خاص کے ساتھ ہے تو یہ جائز ہے اور اگر اجیر مشترک کے ساتھ ہے تو جہالت وغرر کی وجہ سے ناجائز ہے۔

فتاویٰ دار العلوم زکریا کے اس سوال وجواب سے مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے سوال ایک کمپنی ہے جو یہ ذمہ داری لیتی ہے کہ اگر آپ کی گاڑی راستہ میں خراب ہو جائے تو گاڑی اٹھانے میں اور ٹھیک کرانے میں آپ کی مدد کرتی ہے اور اس کے عوض آپ کو ہر سال متعین رقم ادا کرنی ہوگی تو کیا یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورت مسئولہ یہ معاملہ درست ہے اس وجہ سے کہ رقم کے عوض خدمت ملتی ہے؛ البتہ یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ گاڑی خراب نہیں ہوتی اور ٹھیک کرانے کی نوبت نہیں آتی پھر بھی کمپنی اجرت کی مستحق ہوگی یا نہیں اگر یہ کمپنی اجیر خاص ہے تو اجرت کی مستحق ہوگی الخ۔ (فتاوی دار العلوم زکریا: ۴۶۱/۵۔ط: مجلس البحوث والافتاء)

موجر و مستاجر کی ذمہ داری

سوال-۵:

عقد اجارہ میں مالک یا کرایہ دار پر صیانت عامہ اور عمومی دیکھ ریکھ (سروس، صفائی، دوران استعمال خراب ہونے والی چیزوں جیسے اے سی، لائٹ وغیرہ کی درستگی وغیرہ) کی شرط لگادی جائے تو اس عقد کا کیا حکم ہوگا؟ بظاہر اس میں اجارہ اور شرط دونوں جمع ہو رہے ہیں؛ نیز صیانت میں جن چیزوں کی شرط لگائی جاتی ہے وہ کبھی مجہول بھی ہوتی ہیں۔

جواب:

عقد اجارہ میں شئ مستأجَر کی سروس، صفائی ستھرائی، اصلاح و مرمت وغیرہ کے سلسلے میں اصولی بات یہ ہے کہ جس چیز پر شئ مستأجر کی بقاء موقوف ہے یعنی اس چیز کے نہ ہونے سے عین شئ ہلاک یا کالعدم ہو جائے تو اس کی ذمہ داری مالک اور موجر پر ہوگی؛ البتہ اگر وہ چیز ایسی ہے کہ اس کے فوت ہونے سے شئ مستأجر کا استعمال و استفادہ فوت ہو جائے تو وہ مستأجر اور کرایہ دار کے ذمہ ہوتا ہے۔

لہٰذا مدت اجارہ میں اگر شئ مستأجر کے استعمال سے متعلق کسی صیانت کی ضرورت پڑے تو یہ مستأجر کے ذمہ ہوگا جسے صیانت عادیہ کہا جاتا ہے جیسے متعین وقفہ کے بعد مشین کی سروس، صفائی ستھرائی وغیرہ کرانا البتہ اگر کوئی خرابی اس طرح

کی پیدا ہوگئی ہو جس سے شئ مستأجر کا بنیادی ڈھانچہ اور مرکزی اجزاء فوت ہو رہے ہوں تو اس کی مرمت واصلاح کی ذمہ داری مالک پر ہوگی جیسے دیوار منہدم ہو جائے حادثات میں گاڑی بری طرح متأثر ہو جائے اے سی، پنکھے وغیرہ کے بنیادی پارٹس خراب ہو جائیں بشرطیکہ مستأجر کی طرف سے زیادتی وتعدی کے نتیجہ میں یہ خرابی نہ پیدا ہوئی ہو اس لئے کہ شئ مستأجر کرایہ دار کے پاس امانت ہوتی ہے اور امانت میں جب تک امین کی طرف سے تعدی وکوتاہی کا ثبوت نہ ہو جائے اس پر نقصان کا تاوان نہیں ڈالا جا سکتا۔ (مستفاد: اجارہ اور اس کی جدید صورتوں کے احکام: ۱۷۴)

قال في الدر: وعمارة الدار المستأجرة وتطيينها وإصلاح الميزاب وما كان من البناء على رب الدار وكذا كل ما يخل بالسكنى۔ (الدر مع الرد: ۱۰۹/۹ ط زکریا)

ترجمہ: کرایہ پر دئے ہوئے گھر کی تعمیر مٹی وغیرہ لگانا، نالی اور پرنالہ ٹھیک کرنا، اسی طرح جو بھی تعمیراتی کام ہو وہ سب مالک مکان کے ذمہ ہے؛ نیز ہر وہ کام جس کے نہ ہونے سے رہائش پر فرق پڑے۔

عقد اجارہ میں کسی فریق پر صیانت کی شرط

البتہ اگر بوقت عقد مستأجر سے متعلق صیانت واصلاح کی ذمہ داری موجر پر ڈالی جائے یا موجر سے متعلق اصلاح کی شرط مستأجر پر لگا دی جائے تو اصولاً یہ عقد اجارہ فاسد ہو جائے گا کیونکہ یہ اصلاح کی شرط معقود علیہ یا اجرت کا حصہ ہوگی اور یہ مجہول ہے۔

علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

واشتراط تطيين الدار و مرمتها أو غلق باب عليها أو إدخال جذع في سقفها على المستأجر مفسد للاجارة لأنه مجهول فقد شرط الأجر لنفسه على المستأجر- (المبسوط للسرخسی: ۱۶/ ۳۴)

ترجمہ: کرایہ پر دیئے ہوئے گھر کی اصلاح مرمت مٹی وغیرہ لگانا، دروازہ لگانا، چھت میں شہتیر ڈالنا، اگر اس طرح کی شرطیں مستاجر پر لگا دی جائیں گی تو اس سے اجارہ فاسد ہو جائے گا کیونکہ یہ مجہول ہے؛ نیز مالک مکان نے اپنے فائدے کے لئے یہ شرطیں مستاجر پر لگائی ہیں۔

ملک العلماء علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ولو استأجر دارا بأجرة معلومة وشرط الآجرُ تطيين الدار و مرمتها أو تعليق باب عليها أو إدخال جذع في سقفها على المستأجر فالاجارة فاسدة لأن المشروط يصير أجرة وهو مجهول فتيصر الأجرة مجهولة وكذا إذا آجر أرضا وشرط كرى نهرها أو حفر بئرها أو ضرب مسناة عليها لأن ذلك كله على المواجر فإذا شرط على المستأجر فقد جعله أجرة وهو مجهول فصارت الأجرة مجهولة۔ (بدائع الصنائع: ۴/ ۱۹۴)

ترجمہ: اگر کسی شخص نے مقررہ عوض کے بدلہ میں ایک گھر کرایہ پر لیا، پھر مالک نے گھر کی اصلاح مرمت مٹی ڈالنے، دروازہ لگانے یا چھت پر شہتیر لگانے کی شرط مستاجر پر لگا دی تو اس سے اجارہ فاسد ہو جائے گا۔ اس لیے کہ جو کام مشروط ہیں وہ بھی اجارہ کا

ایک حصہ ہے اوران کے مجہول ہونے کی وجہ سے اجرت بھی مجہول ہوجائے گی یہی حکم اس صورت میں بھی ہوگا کہ اگرزمین کرایہ پر دیا اور نہر نکالنے، کنواں کھودنے، نالیاں بنانے کی ذمہ داری مستأجر پر ڈال دی تو بھی اجارہ فاسد ہوجائے گا کیونکہ یہ سب کام مالک کے ذمہ ہے؛ لہٰذا جب مستاجر پر شرط لگادے گا تواس کے مقابلہ میں بھی اجرت آئے گی اور وہ مجہول ہوگی۔

مجلة الأحكام العدليه کی عبارت سے اصل مقصود پر واضح روشنی پڑتی ہے ملاحظہ ہو: اعمال الأشياء التى تخل بالمنفعة المقصودة عائدة على الآجر كذلك تعمير الدار و طرق الماء و اصلاح منافذه وإنشاء الأشياء التى تخل بالسكنى وسائر الأمور التى تتعلق بالبناء كلها لازمة على صاحب الدار. (مجلة الأحكام رقم المادة: ۵۲۹)

ترجمہ: کسی چیز کے وہ ضروری کام جن کے بغیر اس چیز کی منفعت مقصودہ میں خلل پڑے وہ سب مالک پر لازم ہوتے ہیں مثلاً گھر کی تعمیر، پانی کی سپلائی، اس کی نالیوں کی اصلاح ومرمت اور وہ چیزیں تعمیر کرنا جن کے نہ ہونے سے رہائش میں خلل پڑے، اس طرح کے تعمیراتی تمام کام سب مالک مکان کے ذمہ لازم ہیں۔

بلکہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت کی ہے کہ اگر بوقت عقد موجر سے متعلقہ ذمہ داریوں کو مستأجر پر ڈالنے کو بالتصریح والتفصیل نہ بھی ذکر کیا جائے؛ لیکن عرفاً وہ ذمہ داریاں متعین ہوں تو یہ بھی فساد اجارہ کے لئے کافی ہے اور اس سے بھی عقد فاسد ہوجائے گا۔ لأن المعروف كالمشروط ملاحظہ ہو:

قال فى الدر: تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى

العقد فكل ما افسد البيع ممامر يفسدها كجهالة مأجور أو أجرة أو مدة أو عمل و كشرط طعام عبد و علف دابة و مرمة الدار أو مغارمها الخ---

اس عبارت کے آخری جملہ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں: قال فی البحر معزيا إلى الأصل: لو استأجر دارا على أن يعمرها ويعطى نو ائبها تفسد لأنه شرط مخالف لمقتضى العقد فعلم بهذا أن ما يقع فی زماننا من اجارة أرض الوقف بأجرة معلومة على أن المغارم و كلفة الكاشف على المستأجر أو على أن الجرف على المستأجر فاسد كما لا يخفى.

أقول: وهو الواقع فی زماننا ولكن تارة يكتب فی الحجة بصريح الشرط فيقول الكاتب: على أن ما ينوب المأجور من النوائب ونحوها كالدك وكرى الأنهار على المستأجر وتارة يقول: وتوافقا على أن ما ينوب الخ- والظاهر أن الكل مفسد لأنه معروف بينهم وإن لم يذكر والمعروف كالمشروط. تأمل (الدر مع الرد ۹/ ٦٤ ط زكريا)

ترجمہ: مبسوط کے حوالہ سے صاحب بحر نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی مکان اس شرط پر کرائے پر لیا کہ وہ اس کی مرمت وغیرہ کرائے گا اور اس کے اخراجات خود ہی ادا کرے گا تو یہ اجارہ کا معاملہ درست نہیں ہوگا کیونکہ یہ مقتضاء عقد کے خلاف شرط ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے زمانے میں وقف کی زمین کو متعینہ اجرت کے بدلہ اس شرط کے ساتھ کرایہ پر دینے کی جو شکل ہے کہ زمین کے جملہ اخراجات بشمول ٹیکس وغیرہ

اور کھدائی چیکنگ وغیرہ کرنے والے کی اجرت یا پانی کی نالیاں نکالنے کی ذمہ داری کرایہ دار کی ہوگی تو اجارہ کی یہ شکل شرط فاسد کی وجہ سے باطل ہے۔

میں کہتا ہوں (علامہ شامیؒ) ہمارے زمانے میں وہی شکل ہو رہی ہے، البتہ دستاویز اور ڈاکومنٹ میں کبھی صراحتاً بطور شرط یہ مذکور ہوتا ہے؛ چنانچہ منشی اور محرر لکھتا ہے کہ یہ اجارہ اس شرط کے ساتھ ہو رہا ہے کہ زمین میں جو بھی کام نکلے گا، مثلاً مٹی برابر کرنا یا نالیاں بنانا وہ سب کرایہ دار پر لازم ہوگا اور کبھی بطور شرط نہیں بلکہ اس پر باہمی اتفاق ہو جاتا ہے۔ بظاہر یہ صورت بھی مفسد عقد ہے کیونکہ یہ طریقہ معروف ہے اور مشہور قاعدہ ہے معروف بمنزلہ شرط ہی ہوتا ہے اور مشروط کے حکم میں ہوتا ہے۔

چنانچہ اجارۂ تمویلیہ کے عدم جواز کی ایک علت یہ بھی ذکر کی گئی ہے کہ اس میں موجر شئ مستأجرہ کا مالک ہونے کے باوجود کوئی بوجھ اور ذمہ داری اپنے اوپر نہیں لیتا خواہ مصارف اساسیہ ہو یا مصارف عادیہ سب مستأجر کے ذمہ ہوتے ہیں بلکہ اگر بلا تعدی بھی شئ مستأجرہ ہلاک ہو جائے تو بھی مستأجر ضامن ہوتا ہے حالانکہ اس طرح مطلق مستأجر پر مصارف کی ذمہ داری ڈالنا شرعاً ناجائز ہے اور مفسد اجارہ ہے۔

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اجارہ کی اس قسم پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولکن المؤجر فی مثل هذه الإجارة لا یقبل ای خطر او ضمان للعین المؤجرة بل الضمان علی المستأجر فی جمیع الحالات.... وان

هذا الطريق غير مقبول فی الشريعة الإسلامية إطلاقاً فإن المؤجر بصفته مالكا للعين يجب عليه ان يتحمل ضمان العين وان يد المستأجر يد امانة فلا يضمن الهلاک الا بتعد منه اوتقصير بسوءاستخدامه للعين المؤجرة۔ (فقه البیوع: ۵۲۵/۱ المبحث الرابع)

ترجمہ: لیکن اس طرح کے اجارہ میں موجر کرایہ پر دی گئی چیز کے ضمان کو قبول نہیں کرتا؛ بلکہ بہر صورت ضمان مستاجر پر ہی ہوتا ہے۔۔۔ یہ طریقہ شریعت اسلامی میں مطلقاً نا قابل قبول ہے؛ کیونکہ موجر پر مالک ہونے کی حیثیت سے عین کے ضمان کا تحمل لازم ہے، مستاجر کا قبضہ قبضہ امانت ہے؛ لہٰذا وہ اس صورت میں ضامن ہوگا جب کہ اس نے کوئی زیادتی اور کوتاہی کی ہو، یا شئی مستاجر کا غلط ڈھنگ سے استعمال کیا ہو۔

کسی پر ذمہ داری ڈالنے کا اگر عرف ہو!

البتہ اگر صیانت عادیہ کی قبیل کی کچھ چیزیں جو مستأجر کے ذمہ ہوں اگر موجر کے ذمہ قرار دی جائیں یا صیانت اساسیہ کی کچھ چیزیں اگر مستأجر کے ذمہ قرار دی جائیں اور اس طرح عقد اجارہ کرنے کا عرف ومعمول ہو گیا ہو تو استحسانا یہ عقد جائز ہوگا جس طرح بیع میں کسی شرط فاسد کو تجار کے عرف کی وجہ سے گوارا کیا جاتا ہے اسی طرح اجارہ میں بھی عرف وتعامل کی بنیاد پر اس طرح عقد کرنے کی گنجائش ہوگی اس لئے کہ قیاسا فساد کی علت جہالت اجرت اور امکان نزاع ہے اور عرف وتعامل، قاطع جہالت اور دافع نزاع ہے۔

فقہ اکیڈمی جدہ کا فیصلہ

عقد اجارہ میں موجر یا مستأجر پر صیانت کی شرط لگانے سے متعلق فقہ اکیڈمی جدہ کا فیصلہ ملاحظہ ہو: عقد اجارہ میں موجر (کرایہ پر دینے والے) یا مستأجر (کرایہ دار) پر صیانت کی شرط لگا دی جائے۔ اس عقد میں اجارہ اور شرط دونوں جمع ہیں اس صورت کا حکم یہ ہے کہ اگر صیانت اسی نوعیت کی ہو کہ شئ سے منفعت کا حصول صیانت پر ہی موقوف ہو تو بغیر شرط کے یہ صیانت شئ کے مالک یعنی موجر کے ذمہ ہوگی اور مستأجر پر اس کی شرط لگانا درست نہیں ہوگا لیکن اگر صیانت پر منفعت کا حصول موقوف نہ ہو تو موجر یا مستأجر میں سے کسی پر بھی اس کی شرط لگائی جا سکتی ہے بشرطیکہ اس کی تعیین اس طرح کر دی گئی ہو کہ جہالت باقی نہ رہے۔ (انٹرنیشنل فقہ اکیڈمی جدہ کے شرعی فیصلے: ۳۲۱)

الغرض صیانت عادیہ مستأجر کے ذمہ ہے اور صیانت اساسیہ موجر کے لیکن اگر عرف و تعامل اس کے برخلاف ہو جائے تو اس کی گنجائش ہے اور اس طرح شرط لگانے سے عقد فاسد نہیں ہوگا۔

خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

وعمارة الدار وتطيينها وإصلاح ميزابها على الآجر أما تسييل ماء الحمام وتفريغه على المستأجر قال في المحيط: فإن شرط رب الحمام على المستأجر نقل الرماد والسرقين لا يفسد العقد وفي النوازل استأجر مكاريا ليحمل له الحنطة إلى مكان كذا فالجوالق والحبل على المكاري إن كان يحمله على دواب المستأجر أو على عنقه فذاك على المستأجر قال الفقيه أبو الليث: المعتبر في ذلك عادات الناس في تلك البلدة ولو طلب من المكاري أن يدخل بيته

فالمعتبر هوالعرف۔ (خلاصة الفتاوی: ۱۴۸/۳ الفصل التاسع فیما علی الآجر وفیما علی المستأجر)

ترجمہ: گھر کی تعمیر و مرمت مٹی وغیرہ لگانا اور پرنالے کی درستگی یہ سب مالک مکان کے ذمہ ہے البتہ غسل خانے کے پانی کی نکاسی اور اسے خالی رکھنا یہ کرایہ دار کی ذمہ داری ہے، صاحب محیط فرماتے ہیں اگر حمام خانہ کے مالک نے غسل خانے سے راکھ، گوبر وغیرہ منتقل کرنے کی شرط کرایہ دار پر لگادی تو اس سے عقد فاسد نہیں ہوگا۔ نوازل میں ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک مزدور کو متعینہ مقام تک گندم پہنچانے کے لیے اجرت پر لیا تو بورے اور رسیاں مزدور کے ذمہ ہے اور اگر مزدور مالک کے جانور یا اپنی گردن پر ڈھوئے تو یہ چیزیں مالک کے ذمہ ہے۔ فقیہ ابو اللیث سمرقندی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ دراصل اس سلسلے میں اس علاقہ کے لوگوں کا عرف دیکھا جائے گا اور اگر مزدور سے یہ مطالبہ کرے کہ وہ اس کے گھر کے اندر تک پہنچائے تو اس میں بھی عرف کا اعتبار ہوگا۔

بلکہ شرح المجلہ میں بحوالہ بزازیہ اس کی صراحت ہے کہ اگر بوقت عقد مستأجر پر کچھ چیزوں کی اصلاح و مرمت کی شرط لگادی جائے بالخصوص مستأجر کے استعمال سے متأثر ہونے والی چیزوں کی مرمت وغیرہ کی ذمہ داری اگر مستأجر ہی پر ڈال دی جائے تو یہ درست ہے اگر چہ اس کا عرف نہ ہو کیونکہ یہ شرط موافق قیاس ہے اگر چہ مخالف عرف ہے اور اس طرح کی شرط لگانے سے عقد فاسد نہیں ہوگا۔

وفی الأنقروية عن البزازية: خرج المستأجر من البيت وفيه تراب ظاهر أو رماد على المستأجر إخراجه بخلاف البالوعة فإنه يلزم المؤجر تفريغها استحسانا وإن شرط على المستأجر عند العقد جاز وأنه موافق للعقد أى وإن كان العرف بخلافه لأنه حدث بفعله فالشرط الموافق للقياس وإن كان مخالفا للعرف لا يفسد العقد تأمل- (شرح المجلة للأتاسی: ۶۲۲/۲ المادة ۵۲۹)

ترجمہ: کرایہ دار نے گھر خالی کیا لیکن گھر میں گردوغبار یا راکھ پڑی ہوتو اس کی صفائی کرایہ دار کے ذمہ ہے، برخلاف بیت الخلاء کی ٹنکی کے کیونکہ اس کی صفائی استحسانا مالک پر لازم ہے اور مالک نے بوقت عقد کرایہ دار پر اس چیز کی شرط لگادی تو یہ بھی درست ہے بلکہ یہ شرط مقتضاء عقد کے مطابق ہے اگرچہ عرف کے خلاف ہے؛ کیونکہ ٹنکی کرایہ دار کے استعمال سے ہی بھری ہے۔ الغرض جو شرط قیاس کے مطابق ہو اگرچہ عرف کے خلاف ہو اس سے بھی عقد فاسد نہیں ہوتا۔

لہٰذا مذکورہ صورت میں صیانت عامہ اور عمومی دیکھ ریکھ اور دوران استعمال خراب ہونے والی چیزوں کی اصلاح ومرمت کی ذمہ داری موجر یا مستأجر پر ڈال دی جائے اور عرف وتعامل ہو یا پھر باہمی رضامندی اس طرح ہو کہ بعد میں کسی طرح کے نزاع کا اندیشہ نہ ہو تو اس طرح کی شرط لگانے کی گنجائش ہوگی۔

شرح المجلہ میں دوسری جگہ یہ صراحت ہے کہ اگر کوئی چیز مستأجر کے فعل سے متاثر ہو تو قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کی اصلاح ومرمت کی ذمہ داری مستأجر پر ہی ہوگی؛ لہٰذا ان چیزوں کی مرمت کی شرط موافق قیاس ہونے کی وجہ سے مانع جواز نہیں ہوگی۔

ہاں البتہ اگر عرف اس کے خلاف ہو یعنی مستأجر کے عمل سے متاثر ہونے والی چیزوں کی مرمت واصلاح بھی عرفاً موجر پر لازم ہوتی ہو تو پھر عرف کا اعتبار کرتے ہوئے ان چیزوں کی مرمت کی ذمہ داری مستأجر پر ڈالنا صحیح نہیں ہوگا۔

قال فی شرح المجلة: قالوا فی المستأجر إذا نقضت مدة الاجارة وفی الدار تراب من كنسه فعليه أن يرفعه لأنه حدث بفعله فصار كتراب وضعه فيها وان كان امتلأ اتلأوما ومجاريها من فعله فالقياس أن يكون عليه نقله لأنه حدث بفعله فيلزمه نقله كالكناسة والرماد إلا انهم استحسنوا وجعلوا نقل ذلك على صاحب الدار للعرف والعادة بين الناس أن ماكان مغيبا فی الأرض فنقله على صاحب الدار فحملوا ذلك على العادة۔ (شرح المجلة للأتاسی: ۲/ ۶۲۲ المادة ۵۲۹)

ترجمہ: جب کرایہ کی مدت پوری ہوجائے اور مکان میں مٹی اور کچرا ہو تو اس کے صفائی کرایہ دار ہی پر لازم ہوگی، اس لئے کہ اسی کے استعمال کا نتیجہ ہے تو یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ خود مٹی لا کر پھینک دیتا، ہاں اگر نالیاں اور گندگی کی ٹنکیاں بھری ہو تو قیاس کا تقاضہ یہ تھا کہ کرایہ دار ہی اس کی صفائی کرائے اور گندگی پھکوائے کیونکہ یہ اسی کے استعمال سے بھری ہے تو صفائی بھی اسی پر لازم ہونی چاہیے جیسے کچرا اور راکھ وغیرہ صاف کرنا؛ البتہ ہمارے فقہاء نے استحساناً اس کی صفائی ستھرائی مالک مکان کے ذمہ لگایا ہے کیونکہ عرفاً زیر زمین گندگیوں کی صفائی مالک مکان کے ذمہ ہوتی ہے تو یہ مسئلہ بھی اس عرف پر محمول ہوگا۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں: لا یلزم المستأجر إطعام الأجیر إلا أن یکون العرف فی البلدة کذلك حتی لو کان ذلك متعارفا لا یکون اشتراطه علی المستأجر مفسدا للعقد علی مافاله الفقیه أبو اللیث کما فی الحموی علی الأشباه: قال فی رد المحتار ثم ظاهر کلام الفقیه أنه لو تعورف ذلك فی علف الدابة یجوز تأمل۔ (شرح المجلة: ۶۷۵/۲ المادة ۵۷۶)

ترجمہ: مزدور کو کھانا کھلانا مستاجر کے ذمہ نہیں ہے الا یہ کہ اس علاقے میں اس کا عرف ہو؛ چنانچہ اگر عرف ہوگا تو بوقت عقد مستاجر پر اس کی شرط لگانے سے بھی عقد فاسد نہیں ہوگا۔ فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ نے اس کی تصریح کی ہے جیسا کہ حموی علی الأشباہ میں ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں فقیہ ابو اللیث کے کلام سے بظاہر یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ جانوروں کے چارے کے سلسلے میں بھی اگر عرف ہو جائے تو یہی حکم ہوگا۔

قال فی رد المحتار: استأجر عبدا أو دابة علی أن یکون علفها علی المستأجر ذکر فی الکتاب أنه لا یجوز وفال الفقیه أبو اللیث فی الدابة نأخذ بقول المتقدمین أما فی زماننا فالعبد یأکل من مال المستأجر عادة فال الحموی أی فیصح اشتراطه ۔۔۔ ثم ظاهر کلام الفقیه أنه لو تعورف فی الدابة ذلك یجوز۔ (رد المحتار علی الدر: ۶۴/۹ ط زکریا / وکذا فی الفتاوی الهندیة: ۴۴۲/۴)

ترجمہ: کسی نے غلام اور جانور کو اجرت پر لیا مالک نے غلام کے کھانے اور جانور کے چارے کی شرط مستاجر پر لگائی تو یہ جائز نہیں ہے۔ فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

جانور میں چونکہ کوئی عرف نہیں ہے اس لیے ہم متقدمین کے قول کو اختیار کرتے ہوئے عدم جواز ہی کا قول لیں گے؛ لیکن غلام کے سلسلے میں ہمارے زمانے کا عرف یہ ہے کہ غلام مستاجر ہی کی طرف سے کھاتا ہے۔ علامہ حموی فرماتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نکلا کہ عرف کی وجہ سے یہ شرط صحیح ہے۔۔۔ فقیہ ابو اللیث سمرقندی علیہ الرحمۃ کے کلام سے بظاہر یہی مستفاد ہوتا ہے کہ اگر جانور کے چارے میں بھی ایسا عرف ہو جائے تو یہ بھی درست ہوگا۔

مستأجر پر اصلاح و مرمت وغیرہ کی شرط لگانے کا اصول:

مستأجر پر اصلاح و مرمت وغیرہ کی شرط لگانے کے سلسلے میں فقہاء کرام کے یہاں یہ تفصیل بھی ملتی ہے کہ اگر مستأجر پر عین موجرہ کے استعمال کے سلسلے میں کوئی ایسی شرط لگائی جائے جس کا فائدہ مستأجر ہی کو پہنچتا ہے اور اس کا معتد بہ اثر اجارہ ختم ہونے کے بعد باقی نہ رہتا ہو تو یہ مفسد عقد نہیں ہے۔

درمختار میں ہے: أو أرضا (أى استأجر) بشرط أن يثنيها أو كرى انهارها العظام وفى الشامية قوله العظام لأن أثره يبقى الى القابل عادة بخلاف الجداول أى الصغار فلا تفسد بشرط كريها هو الصحيح ابن كمال أو يسرقنها لبقاء أثر هذه الأفعال لرب الأرض فلو لم تبق لم تفسد وفى الشامية قوله فلولم تبق بأن كانت المدة طويلة لم تفسد لأنه لنفع المستأجر فقط۔ (الدر مع الرد: ۸۱/۹۔۸۲ باب الإجارة الفاسدة ط زكريا ديوبند)

ترجمہ: زمین کرائے پر لیا دو مرتبہ جوتنے، گوڑنے یا بڑی

بڑی نالیاں نکالنے کی شرط کے ساتھ، شامی میں ہے نہر کے ساتھ العظام کی قید اس لیے ہے کہ اس کا اثر بالعموم آئندہ سال تک باقی رہتا ہے برخلاف چھوٹی کیاریوں کے اس کے بنانے کی شرط کے ساتھ صحیح قول کے مطابق اجارہ فاسد نہیں ہوگا یا گوبر کی کھاد ڈالنے کی شرط کے ساتھ اجارہ کا معاملہ کرے، اس لیے کہ ان سب کاموں کا اثر مالک زمین کے لئے باقی رہتا ہے؛ لہٰذا اگر باقی نہ رہے تو اجارہ فاسد نہیں ہوگا۔ شامی میں ہے باقی نہ رہے بایں طور کہ مدت اجارہ طویل ہو تو اب معاملہ فاسد نہیں ہوگا کیونکہ یہ شرط خود مستاجر کے فائدہ کے لئے ہے۔

علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وإن شرط أن يثنيها أو يكرى انهارها أو يسرقنها أو يزرعها بزراعة أرض أخرى لا كاجارة السكنى بالسكنى، لأن أثر التثنية وكرى الانهار والسرقنة يبقى بعد انقضاء مدة الإجارة فيكون فيه نفع صاحب الأرض وهو شرط لا يقتضيه العقد فيفسد كالبيع --- حتى لو كان بحيث لا يبقى لفعله أثر بعد المدة بأن كانت المدة طويلة أو كان الريع لا يحصل الا به لا يفسد اشتراطه لأنه مما يقتضيه العقد لأن من الأراضي مالا يخرج الريع إلا بالكراب مرارا وبالسرقنة وقد يحتاج إلى كرى الجداول ولا يبقى أثره إلى القابل بخلاف كرى الانهار لأن أثره يبقى إلى القابل عادة۔ (تبيين الحقائق: ۵/ ۱۳۱ باب الإجارة الفاسدة)

ترجمہ: اگر مالک نے یہ شرط لگادی کہ کرایہ دار زمین کو دوبارہ جوت کر حوالے کرے یا بڑی بڑی نالیاں بنائے یا گوبر کی کھاد

ڈالے یا کسی دوسری زمین کی کاشت کے بدلے میں اس کو بوئے
تو ان سب شرطوں کے ساتھ اجارہ فاسد ہوگا جیسا کہ حق سکنی کو
حق سکنی کے بدلہ میں اجارے پر دینا درست نہیں ہے۔اس لیے
کی ان سب چیزوں کا اثر مدت اجارہ ختم ہونے کے بعد بھی باقی
رہتا ہے اور اس میں مالک زمین کا فائدہ ہے جبکہ یہ شرط بھی
مقتضاء عقد کے خلاف ہے،اس لیے یہ اجارہ بھی فاسد ہوگا،جیسا
کہ اس طرح کی شرطوں سے بیع فاسد ہوجاتی ہے؛ہاں اگر مذکورہ
شرطوں کا اثر مدت اجارہ ختم ہونے کے بعد باقی نہ رہے بایں طور
کے مدت طویل ہو یا ان سب کاموں کے بغیر پیداوار ہی نہ ہوئی
تو اب ان شرطوں سے عقد فاسد نہ ہوگا؛ کیونکہ اب یہ شرطیں
مقتضاء عقد کے مطابق ہوئیں؛اس لئے کہ بعض زمینیں کئی مرتبہ
جوتنے اور گوبر وغیرہ کی اچھی کھاد ڈالنے سے ہی اگانے کے
قابل ہوتی ہے اور کبھی چھوٹی کیاریوں اور نالیوں کی ضرورت
پڑتی ہے اور یہ نالیاں آئندہ سال تک باقی بھی نہیں رہتی کہ
مالک کا فائدہ ہو برخلاف بڑی نالیوں کے کہ ان کا اثر بالعموم
اگلے سال تک رہتا ہے۔

فتاویٰ دارالعلوم زکریا میں ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: فقہاء کے کلام کے روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ اگر مستأجر پر عین مؤجرہ کے استعمال کے سلسلے میں کوئی ایسی شرط لگائی جائے جس کا فائدہ مستأجر ہی کو پہونچتا ہو اور اس کا معتد بہ اثر اجارہ ختم ہونے کے بعد باقی نہ رہتا ہو تو یہ مفسد عقد نہیں ہے --- بنابریں اگر بینک مستأجر پر ان امور کی شرط عائد

کر دے جن کا تعلق گاڑی کے استعمال سے ہے مثلا پیٹرول ڈالنا سروس کرانا، ٹیوننگ کرانا، پلگ بدلنا بیٹری تبدیل کرنا وغیرہ تو اس شرط کی وجہ سے اجارہ فاسد نہیں ہوگا۔ (فتاویٰ دارالعلوم زکریا:۵ / ۶۵۲)

دوسری جگہ لکھتے ہیں: آج کل کے عرف میں گاڑی کا اجارہ اگر چند گھنٹوں کے لئے ہو تو پیٹرول سمیت ہر کام مؤجر کے ذمہ ہوتا ہے اور اگر چند ایام کے لئے ہو تو مستأجر کے ذمہ صرف پیٹرول ہوتا ہے اور اگر چند سالوں کے لئے ہو تو معمولی مرمت، سروس، ٹیوننگ، بیٹری کی تبدیلی، پلگ کی تبدیلی وغیرہ جو استعمال سے متعلق ہے مستأجر کے ذمہ ہوتا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم زکریا:۵ / ۶۵۳)

مستاجر پر کس طرح کی مرمت کا بار ڈالا جا سکتا ہے اس سلسلے میں حضرت مولانا مفتی زبیر اشرف عثمانی صاحب نے اپنی مایہ ناز کتاب جدید معاشی نظام میں قانون اجارہ پر اصولی بحث کرتے ہوئے لکھا ہے: سامان مشنری گاڑی یا اس کے علاوہ دیگر اشیاء کو کرایہ پر دینے کے بعد ایسے تمام اخراجات جو کہ معمول کے مطابق ہوں اس کو ادا کرنا مستأجر کے ذمہ ہوگا اور جو اخراجات سامان کے عمل سے متعلق ہوں اس کا خرچ موجر کی ذمہ داری ہے مثال کے طور پر اگر کسی شخص نے گاڑی لیز پر حاصل کی ہے تو اس گاڑی کے وہ تمام معمول کے اخراجات جو اس کے عمل {working} {ورکنگ} سے متعلق ہوں جیسے مثال کے طور پر گاڑی کی سروس، ٹیوننگ اور عام مرمت وغیرہ یہ سب اخراجات مستأجر کی ذمہ داری ہوگی اور اگر گاڑی کسی قدرتی آفت کی شکار ہوگئی مثلا ایکسیڈنٹ ہوگیا گاڑی کو آگ لگ گئی یا کسی حادثہ میں گاڑی تباہ ہوگئی تو ایسی صورت میں اس کے نقصان کی ذمہ داری موجر کی ہوگی مستأجر ان نقصانات کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔ (جدید معاشی نظام میں قانون اجارہ:۲۹۶۔۲۹۷)

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں حاصل یہ ہے کہ اگر مستاجر پر عین موجرہ کے استعمال کے سلسلہ میں کوئی ایسی شرط لگائی جائے جس کا فائدہ مستاجر ہی کو پہونچے اور اس کا معتد بہ اثر اجارہ ختم ہونے کے بعد باقی نہ رہے تو ایسی شرط جائز ہے گاڑی کا اجارہ عام طور سے تین سال کیلئے ہوتا ہے {ایک خاص صورت میں } ظاہر ہے کہ اس طویل مدت کے دوران جو سروس ٹیوننگ یا معمولی مرمت کرائی جائے اس کا معتد بہ اثر تین سال تک باقی نہیں رہتا؛ لہٰذا ان فقہی عبارتوں کی بنیاد پر یہ کہنا کہ سروس ٹیوننگ اور چھوٹی موٹی مرمت کی اجرت مستاجر پر عائد کرنے سے اجارہ فاسد ہوجاتا ہے مذکورہ فقہی اصول کے بالکل خلاف ہے۔ (غیر سودی بینک کاری: ۲۶۱ ط فرید بکڈپو)

ہر مرتبہ سروس کی ایک متعینہ رقم

سوال-۶:

اس عقد کی ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ عقد صیانت کرنے والے یعنی ٹھیکے دار اور مالک کے درمیان یہ معاہدہ ہوتا ہے کہ ہر مرتبہ میں عامل کے عمل اور مشین میں لگنے والے پارٹس کی ایک متعینہ رقم دی جائے گی، یعنی عامل ایک مرتبہ سامان کے ساتھ سروس کرے گا، تو اس کو اتنی متعینہ رقم ملے گی قطع نظر اس کے سروس میں کتنا وقت لگے گا، یا اس میں کتنے کا سامان لگے گا۔

جواب:

عقد صیانت کی یہ شکل کہ صائن اور مالک کے درمیان یہ معاہدہ ہو کہ ہر مرتبہ میں عامل کے عمل اور مشین میں لگنے والے پارٹس کی ایک متعینہ رقم دی جائے گی یعنی عامل ایک مرتبہ سامان کے ساتھ سروس کرے گا تو اس کو اتنی متعینہ رقم ملے گی اور اگر بلا سامان لگائے سروس ہوگی تو اس کو اتنی رقم ملے گی قطع نظر اس کے کہ سروس میں کتنا وقت لگے گا یا اس میں کتنا سامان کس نوعیت کا لگے گا؟ تو اس شکل کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

پہلی صورت:

اگر سامان کے ساتھ سروس کا مطلب یہ ہو کہ ہر طرح کے پارٹس لگانا اور سامان فراہم کرنا صائن کے ذمہ ہو چاہے وہ بنیادی اور مرکزی پارٹس ہوں، غیر معمولی قیمت کے حامل ہوں، یا معمولی قسم کے اجزاء ہوں جو اس طرح کے معاملہ میں عرفاً متعین بھی ہوتے ہیں مثلاً آئل، گریس، معمولی پرزے وغیرہ، اور معاملہ کرتے وقت ایک متعینہ رقم طے ہو جائے چاہے جس مقدار میں جس نوعیت کے اجزاء لگانا پڑے تو ظاہر ہے اس میں جہالت فاحشہ پائی جا رہی ہے کیونکہ اولاً تو اجزاء و پارٹس کی مقدار مجہول ہے، پھر نوع مجہول ہے، پھر وصف مجہول ہے کہ وہ ادنی درجے کے ہوں گے یا اعلیٰ کوالیٹی کے یا درمیانی درجے کے نیز اوقات کار بھی مجہول ہوں گے، اسی طرح طے کردہ رقم اور پارٹس کی قیمت کے درمیان تفاوت فاحش بھی ہو سکتا ہے اس لئے یہ جہالت مفضی الی المنازعۃ ہوگی اور معاملہ کی مذکورہ صورت ناجائز ہوگی اور اجارہ فاسد ہوگا۔

قال في الدر: تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد فكل ما افسد البيع مما مر يفسدها كجهالة مأجور أو أجرة أو مدة أو عمل۔ (الدر المختار مع رد المحتار: ۹/۶۴ باب الإجارة الفاسدة ط زكريا)

ان چیزوں کی جہالت سے عقد کی فساد کی وجہ یہ ہے کہ یہ جہالت فاحشہ ہے جو مفضی الی المنازعۃ ہے۔

الفقہ الحنفی وادلتہ میں ہے: وكل جهالة تفسد البيع تفسد الإجارة من جهالة المعقود عليه أو الاجرة أو المدة لما عرف أن الجهالة مفضية إلى المنازعة۔ (الفقه الحنفى وأدلته: ۲/۹۰ كتاب الإجارة ط بيروت)

ترجمہ: جو جہالت بیع کو فاسد کر دیتی ہے وہ اجارہ کو بھی فاسد

کر دیتی ہے، مثلا معقود علیہ اجرت یا مدت کا مجہول ہونا کیونکہ
عرفا یہ جہالت مفضی الی المنازعہ ہے۔

الغرض عقود اور معاوضات مالیہ میں خواہ وہ اجارہ ہو یا بیع اگر جہالت فاحشہ ہے یعنی وہ جہالت بالذات ناقابل حل نزاع واختلاف کا سبب بنے تو وہ مفسد عقد ہے، چاہے بظاہر عاقدین فی الحال راضی نظر آرہے ہوں؛ کیونکہ مفضی الی النزاع کا مطلب ہے: ما من شانہ ان یکون مفضیا، کہ جو اپنی ذات کے اعتبار سے نزاع کا سبب بن سکے، خواہ کسی وجہ سے بالفعل اس کی نوبت نہ آئے۔

صاحب ہدایہ ایک موقع پر تحریر فرماتے ہیں:

والأثمان المطلقة لا تصح إلا أن تكون معروفة القدر والصفة لأن التسليم والتسلم واجب بالعقد وهذه الجهالة مفضية الى المنازعة فيمنع التسليم والتسلم وكل جهالة هذه صفتها تمنع الجواز هذا هو الأصل۔ (الهداية: ۲۰/۳ البيوع)

ترجمہ: غیر مشار الیہ نقدین کا ثمن بننا اسی وقت درست ہوگا جبکہ مقدار اور صفت معلوم ہو اس لئے کہ عقد کا لازمی تقاضہ مبیع کی سپردگی اور ثمن کا قبضہ ہے اور اس طرح کی جہالت میں امکان نزاع ہے جو تسلیم وتسلم سے مانع ہے، اور یہی اصول ہے کہ جو جہالت مفضی الی المنازعہ ہوگی وہ مانع جواز ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے: فإن كان مجهولا جهالة مفضية الى المنازعة يمنع صحة العقد وإلا فلا۔ (الفتاوى الهندية: ۴۱۱ ط كتاب الاجارة)

نوٹ: لیکن شرط یہ ہے کہ اس طرح جہالت فاحشہ کے ساتھ معاملہ کرنے کا عرف وتعامل نہ ہو کیونکہ اگر عرف وتعامل اس طرح جہالت کے ساتھ معاملہ

کرنے کا ہوگا تو چونکہ تعامل کی وجہ سے یہ جہالت مفضی الی المنازعہ نہیں ہوگی، اس لئے عقد اجارہ جائز ہوگا۔

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وكذلك إن كان مما لا يقتضيه العقد ولا يلائم العقد أيضا لكن الناس فيه تعامل فالبيع جائز۔ (بدائع الصنائع: ۳۸۱/۴)

علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وان كان شرطا لا يقتضيه العقد وفيه عرف ظاهر فذلك جائز أيضا كما لو اشترى نعلا بشرط أن يحذوه البائع لأن الثابت بالعرف ثابت بدليل شرعى ولأن فى النزوع عن العادة الظاهرة حرجا بينا۔ (المبسوط للسرخسی: ۱۳۔۱۴)

ترجمہ: اگر کوئی شرط مقتضاء عقد کے خلاف ہو لیکن اس شرط کا عام رواج اور چلن ہو تو یہ بھی جائز ہے، مثلاً اگر کسی شخص نے جوتا خریدا اس شرط کے ساتھ کہ بائع تسمہ لگا کر دے گا تو یہ شرط درست ہے؛ کیونکہ عرف سے ثابت ہونے والا حکم دلیل شرعی سے ثابت مانا جاتا ہے، اور اس لئے بھی کہ عام رواج اور چلن سے ہٹنے میں کھلا ہوا حرج ہے۔

حاشية الطحطاوى على الدر میں ہے: فلو كان المبيع مجهولا جهالة فاحشة ولم يجر بها العرف لا يصح البيع۔ (حاشية الطحطاوى على الدر المختار: ۱۲/ ۱۳ ط كوئٹه)

دوسری صورت:

اس عقد کی دوسری صورت یہ ہے کہ سامان کے ساتھ سروس کرنے کا مطلب ہو کہ، تھوڑا موڑا سامان اور معمولی قسم کے پرزے جن کا عادۃً حساب نہیں ہوتا یا وہ عرفاً متعین ہوتے ہیں یا ان میں چشم پوشی اور تسامح سے کام لیا جاتا ہے تو چونکہ یہ جہالت یسیرہ ہے جو عقود میں معفوعنہ ہے اور اس طرح کی جہالت عقود میں قابل برداشت ہوتی ہے بالعموم مارکیٹ میں سامان کے ساتھ صیانت کی یہی شکل ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ ویزٹ کی قیمت مثلاً دوسو روپیہ ہے اس میں فریج وغیرہ کھولنا اور معمولی گریس، آئل یا کوئی چھوٹا موٹا پرزہ ٹھیک کرنا ہوتا ہے اور اگر کوئی قیمتی سامان لگانے کی ضرورت ہوتی ہے تو صائن مالک کو بتلا دیتا ہے کہ اس میں اس سامان کی ضرورت ہے پھر الگ سے وہ سامان لگایا جاتا ہے الغرض اگر معاملہ کی مذکورہ صورت ہو تو اس طرح ایک متعینہ رقم کے عوض صیانت کا معاملہ کرنا درست ہے اور اوقات اور سامان کی جہالت عرفاً قابل تحمل ہے۔

قال فی المدخل أما الجهالة التی لا تؤدی إلى نزاع مشکل فلا تضر العقد وذلك كما لو باع الإنسان كل ما فی صندوقه أو فی بیته دون معرفة ما فیه فیصح العقد لأن المبیع وإن كان مجهولا هو معین بالذات بحد حاصر له متفق علیه وهو الصندوق أو البیت وهذا التعیین حجة صالحة لالزام المتبایعین وحسم النزاع۔

{المدخل الفقهی العام: ۲/ ۶۴۲ ط بیروت}

ترجمہ: وہ جہالت جو نا قابل حل نزاع کا سبب نہ بنے وہ عقد کے لئے مضر نہیں ہے، جیسے کسی شخص نے اس طرح بیع کیا کہ جو سامان بھی صندوق میں ہے یا جو سامان بھی اس کے گھر میں ہے وہ

سب فروخت کررہا ہوں، گھر اور صندوق کے سامان کو جانے بغیر تو یہ بیع صحیح ہوگی، اس لیے کہ مبیع اگرچہ ابتدائی مرحلہ میں مجہول ہے؛ لیکن اپنی ذات کے اعتبار سے متعین ہے، ایک متفق علیہ محدود معیار اور پیمانے کے ذریعہ جو کہ مسلۂ ہذا میں صندوق اور گھر ہے اور اتنی تعیین لزوم عقد اور دفع نزاع کے لیے کافی ہے۔

قال العلامة الكشميرى: قلت ان الناس يعاملون فى اشياء تكون جائزة فيما بينهم على طريق المروءة و الاغماض فاذا وقعت الى القضاء يحكم عليها بعدم الجواز وذلك لان العقود على نحوين نحو يكون معصية فى نفسه، وذا لايجوز مطلقا ونحو آخر لا يكون معصية وانما يحكم عليه بعدم الجواز لافضاءه الى المنازعة فاذا لم تقع فيه منازعة جاز۔ {فيض البارى: ٢٨٩/٣، كتاب الوكالة}

ترجمہ: میں کہتا ہوں (علامہ کشمیری) لوگ آپس میں بہت سے ایسے معاملات کرتے ہیں جو مروت اور چشم پوشی کے طور پر درست ہوتے ہیں؛ لیکن جب وہ قضاء اور فیصلے کے دائرے میں آتے ہیں تو ان پر عدم جواز کا حکم لگتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دراصل معاملات دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک وہ جو بذات خود معصیت ہیں، ان کا حکم یہ ہے کہ یہ کبھی جائز نہیں ہوسکتے، دوسری قسم وہ ہے جو بذات خود تو معصیت نہ ہو لیکن ان پر عدم جواز کا حکم ان کے باعث نزاع ہونے کی وجہ سے ہو؛ لہٰذا مؤخر الذکر صورت میں اگر نزاع کا اندیشہ نہ ہو تو یہ معاملات جائز ہوں گے۔

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:

قلت والحاصل ان الجهالة اليسيرة عفو فی ما جری به التعامل لكونها لا تفضی الی النزاع عادة۔ (اعلاء السنن: ۱۶/۲۰۹، باب اجرة السمسرة)

اس مسئلہ کی بہت سی نظیریں ہیں جو عرف وتعامل میں بلا دریغ رائج ہیں مثلا بعض بڑی ہوٹل والوں کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ وہ پیٹ بھر کر کھانا کھلانے پر ایک متعین رقم لیتے ہیں اب یہاں کھانے کی نوع اور اس کی مقدار مجہول ہوتی ہے، لیکن چونکہ یہ جہالت یسیرہ ہے جو مفضی الی المنازعۃ نہونے کی وجہ سے قابل تحمل ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے: و وجه الاستحسان ان هذا النوع من الجهالة لا يفضی الی المنازعة لان مبنی الطعام علی المسامحة فی العرف و العادة دون المضايقة۔ [بدائع: ۷/۳۱ كتاب القسمة]

ترجمہ: دلیل استحسان یہ ہے کہ اس قسم کے جہالت میں نزاع کا اندیشہ نہیں ہے؛ کیونکہ کھانے کا مدار عرفا چشم پوشی اور تسامح پر ہے نہ کہ تنگی اور سختی پر۔

تکملہ فتح الملهم میں ہے: قال العبد الضعيف عفا الله عنه ويخرج علی هذا كثير من المسائل فی عصرنا فقد جرت العادة فی بعض الفنادق الكبيرة انهم يضعون انواعا من الاطعمة فی قدور كبيرة و يخيرون المشتری فی اكل ما شاء بقدر ماشاء وياخذون ثمنا واحدا معينا من كل احد فالقياس ان لا يجوز البيع لجهالة الاطعمة المبيعة وقدرها ولكنه يجوز لان الجهالة يسيرة غير مفضية الی النزاع وقد جری بها العرف والتعامل وكذالک استجار

السيارات وبما لا يعرف سائقها مسافة السفر ولا تتعين الاجرة فى بداية السفر ولكن هذه الجهالة تتحمل۔ [تکملہ فتح الملهم: ۱/۳۲۰باب بیع الحصارۃ والبیع الذی فیہ غرر، نیز دیکھئے کفایت المفتی: ۷/۳۱۰ کتاب المعاش، امداد المفتیین ۷۱۴کتاب الاجارات]

ترجمہ: احقر (مفتی تقی عثمانی) عرض کرتا ہے کہ اسی اصل پر بہت سے عصری مسائل کا حکم معلوم ہوگا، چنانچہ بعض بڑی ہوٹلوں (باربک نیشن وغیرہ) میں یہ دستور ہے کہ وہ مختلف قسم کے کھانے بڑے بڑے برتنوں میں رکھ دیتے ہیں اور مشتری کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ جو چاہے اور جتنا چاہے کھائے اور ہر ایک سے وہ ایک ہی متعینہ رقم وصول کرتے ہیں، تو ظاہر ہے قیاس کے مطابق یہ بیع جائز نہیں ہے؛ کیونکہ فروخت کردہ کھانے اور ان کی مقدار مجہول ہے لیکن استحسانا جائز ہے، کیونکہ یہ جہالت یسیرہ ہے جس میں نزاع کا اندیشہ نہیں ہے جبکہ عرفا یہ چیز رائج بھی ہے، اور اسی طرح گاڑیوں کو اس طرح کرایہ پر دینا کہ ابتداء میں نہ ڈرائیور کو پوری مسافت سفر معلوم ہو اور نہ آغاز سفر میں کرایہ فکس ہوں؛ لیکن یہ جہالت بھی قابل تحمل ہے امکان نزاع نہ ہونے کی وجہ سے۔

گارنٹی، وارنٹی کی شرط کے ساتھ بیع

سوال-۷۔۸:

عقد صیانت کی ایک شکل یہ بھی ہوتی ہے کہ عقد صیانت کرنے والا یعنی عامل آلات اور پروگراموں کو اپ ڈیٹ (تجدید) کرنے کا ذمہ لیتا ہے کہ جب بھی متعین آلہ اور مشین سے متعلق کوئی نئی چیز اور نیا پروگرام آئے گا تو عامل اس کی تجدید کرے گا، شرعاً اس معاملہ کی کیا حیثیت ہوگی؟

آج کل یہ شکل بھی کثرت سے رائج ہے کہ عقد بیع میں ہی یہ معاہدہ ہوتا ہے کہ متعینہ مدت میں اگر مبیع خراب ہوتی ہے یا اس کو سروس کی ضرورت پیش آتی ہے، تو بائع اس کی سروس کرائے گا یا بدل کردے گا اور اس کا کوئی معاوضہ الگ سے نہیں دینا ہوگا۔ اب سوال یہ ہے کہ عقد بیع کے ساتھ اس طرح کی شرط لگا کر فائدہ اٹھانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

سوال نامہ میں ذکر کردہ ساتویں آٹھویں صورتوں میں قدرے مشترک یہ بات ہے کہ صائن اپنی طرف سے یا فریق آخر کے مطالبہ پر مشروط طریقہ پر آلات اور پروگراموں کے اپڈیٹ وتجدید کی ذمہ داری لیتا ہے یا متعینہ مدت تک مبیع میں کسی طرح کی خرابی پیش آنے کی صورت میں اس کو بدل کردینے یا

اس کی اصلاح ودرستگی کی ذمہ داری لیتا ہے اور یہ چیز بوقت عقد مشروط ہوتی ہے تو کیا اس شرط کے ساتھ یہ عقد درست ہے؟

اس سلسلے میں عرض ہے کہ کمپنیاں یا دکاندار اپنی مصنوعات کو فروغ دینے کیلئے اور خریداروں کی توجہ ملتفت کرنے کے لئے گارنٹی اور وارنٹی کی شرط کے ساتھ اشیاء فروخت کرتی ہیں تو اصل کے اعتبار سے یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے جس سے عقد فاسد ہو جاتا ہے چنانچہ شروع میں جب اس شرط کیساتھ عقد کرنے کا تعامل نہیں ہوا تھا تو ہمارے اکابرین نے اس شرط کی وجہ سے عقد کو فاسد ہی قرار دیا تھا حضرت مفتی عزیز الرحمان عثمانی علیہ الرحمہ نے صراحتا فساد عقد کا فتوی دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

سوال:

کاری گروں سے کوئی مرمت گارنٹی کی ساتھ کرانا یا کوئی شیء گارنٹی کیساتھ خریدنے کا کیا حکم ہے؟ گارنٹی بعض اوقات تو دوسری شیء دینے کی ہوتی ہے اور بعض اوقات خرید گھڑی وغیرہ میں بلا اجرت مرمت کرنے کی ایک مقررہ وقت تک ہوتی ہے؟

الجواب:

اس معاملہ میں بوجہ لاعلمی وعدم تعیین مرمت وغیرہ فساد آ جاتا ہے کیونکہ ایسی شروط سے بیع فاسد ہو جاتی ہے۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند: ۱۴/۳۳۶ خرید وفروخت کا بیان)

لیکن اب یہ شرط معروف ومروج ہو چکی ہے اور گارنٹی وارنٹی کی ساتھ خرید و فروخت کا معاملہ عرف میں شائع وذائع ہے اور ہمارے فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر کوئی شرط فاسد معروف ہو جائے اور عرف وتعامل اس کے مطابق جاری

ہوجائے تو اب وہ شرط مفسد عقد نہیں ہوگی کیونکہ شرط فاسد کی وجہ سے فساد عقد کی علت امکان نزاع ہے اور جو شرطیں معروف و مروج ہو جاتی ہیں وہ نزاع و شقاق کا سبب نہیں بنتیں اس لئے اس طرح کی شرطوں سے عقد فاسد نہیں ہوتا۔

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: ان كان البيع مشروطا بشرط فاسد فالبيع فاسد والشروط المشروطة فى البيع كله فاسدة الا ما دخل فى احد الانواع الثلاثة۔۔۔

ج: ان يكون الشرط مما تعارف عليه التجار من غير نكير مثل ان يشترط فى بيع الثلاجة ان ينصها البائع فى بيت المشترى وان يستلزم بصيانته الى مدة معلومة۔ (فقه البيوع: ۲/ ۱۱۵۳)

ترجمہ: اگر بیع میں کوئی شرط فاسد لگا دی جائے تو اس سے بیع فاسد ہو جاتی ہے اور بیع میں لگائی جانے والی جملہ شرطیں فاسد ہی ہوتی ہیں سوائے تین قسم کی شرطوں کے۔۔۔

ایک یہ ہے کہ اس شرط کا تاجروں کے عرف میں بلا نکیر رواج اور چلن ہو گیا ہو مثلاً فریج خریدتے وقت اس بات کی شرط کہ بائع مشتری کے گھر میں اسے فٹ کر کے دے گا یا ایک متعین مدت تک اصلاح و مرمت کی گارنٹی یا وارنٹی دے گا۔

تکملہ فتح الملہم میں ہے: وقد كثرت فى عهدنا انواع الشروط فى البيوع و الاجارات و غيرها فكل ما جرى به التعامل العام كان جائزا مثل ما تعورف فى العالم كله ان مشترى الثلاجات والدافئات والماكينات الاخرى يشترط على البائع القيام بتصليحها كلما عرضها فساد فى حدود مدة معلومة كالسنة او السنتين مثلا فان هذا الشرط جائز لشيوع التعامل بها۔ (تكمله فتح

الملہم: ۱/۴۳۵ مسئلہ الشرط فی البیع۔ نیز دیکھئے: فقہ البیوع: ۱/۴۸۷ السور المتعارف لاشتراط الشروط فی البیع)

ترجمہ: موجودہ دور میں بیوع اور اجارات وغیرہ میں مختلف قسم کی شرائط عام ہوچکی ہیں، مثلاً فون کی خریداری اس شرط پر ہوتی ہے کہ بائع متعین گھنٹوں تک متعینہ نیٹ بھی استعمال کرنے کے لیے دے گا، یا مشین اس شرط پر خریدی جائے کہ بائع مشتری کو اس مشین کے استعمال کرنے کی اجازت دے گا، اسی طرح ساری دنیا میں یہ متعارف ہے کہ مشینوں کا خریدار ایک متعین مدت مثلاً سال دو سال کے اندر مشین کی خرابی کی صورت میں بائع کو اس کا پابند بناتا ہے کہ وہی اس کو ٹھیک کرے گا، یہ شرط تعامل کی وجہ سے جائز ہوگی۔

مبسوط السرخسی میں ہے: وان کان شرطا لا یقتضیہ العقد وفیہ عرف ظاھر فذلک جائز ایضا ۔۔۔ لان الثابت بالعرف ثابت بدلیل شرعی ولان فی النزع عن العادۃ الظاھرۃ حرجا بینا۔

(المبسوط للامام السرخسی: ۱۳/۴۱)

ترجمہ: اگر شرط مقتضاء عقد کے خلاف ہو لیکن اس کا عمومی رواج بھی ہو تو یہ شرط جائز ہے اس لیے کہ جو چیز عرف سے ثابت ہوتی ہے وہ دلیل شرعی سے ثابت ہوتی ہے؛ نیز عمومی عرف ورواج کے خلاف کرنے میں کھلا ہوا حرج ہے۔

صاحب ہدایہ اس طرح کے شرائط کو مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

وکل شرط لا یقتضیہ العقد وفیہ منفعۃ لاحد المتعاقدین

او للمعقود عليه وهو من اهل الاستحقاق يفسده ...الا ان يكون متعارفا لان العرف قاض على القياس۔ (الهداية: ۵۹/۳ باب البیع الفاسد)

ترجمہ: جو شرط مقتضاء عقد کے خلاف ہو اور اس میں عاقدین میں سے کسی کا یا معقود علیہ کا فائدہ ہو بشرطیکہ معقود علیہ اہل استحقاق میں سے ہو تو ایسی شرط سے عقد فاسد ہو جاتا ہے۔۔۔ ہاں مگر جب کہ ایسی شرط کا عرف ہو جائے اس لیے کہ عرف قیاس پر فیصل ہے۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

وکذلک ان کان مما لا یقتضیه العقد ولا یلائم العقد ایضا لکن للناس فیه تعامل فالبیع جائز۔ (بدائع الصنائع: ۳۸۱/۴)

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں: اپنی مصنوعات کو فروغ دینے اور گاہکوں کی ترغیب کیلئے آج کل یہ صورت مروج ہے کہ خریدار کو ایک مدت تک سامان کی اصلاح اور مرمت کا تیقن دیا جاتا ہے یہ مسئلہ اس لئے اہم ہے کہ شریعت نے خرید و فروخت میں کسی ایسی اضافی شرط کو جائز قرار نہیں دیا ہے، اسی بنا پر فقہاء نے ایسی شرطوں کی وجہ سے خرید و فروخت کے معاملے کو فاسد قرار دیا ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس قسم کی گارنٹی کی وجہ سے یہ معاملہ ناجائز قرار پائے لیکن فقہاء کے نزدیک شریعت کی اس ممانعت کا منشا امکانی نزاع کا دروازہ بند کرنا ہے اور جو شرطیں معروف و مروج ہو جاتی ہیں وہ نزاع کا باعث نہیں بنتی ہیں؛ لہٰذا ایسی شرطوں کو جائز اور قابل اعتماد قرار دیا گیا ہے۔ (جدید فقہی مسائل: ۳۸۷/۱، تقریر ترمذی: ۱۰۹/۱)

ایک اشکال:

البتہ اس پر ایک اشکال یہ ہوگا کہ شرط فاسد کی وجہ سے فساد عقد کی علت فقہاء نے یہ ذکر کی ہے کہ اس سے ربا لازم آتا ہے؛ کیونکہ یہ بیع میں منفعت کی ایسی زیادتی ہے جس کے مقابلہ میں کوئی عوض نہیں ہوتا اور عوض سے خالی مشروط منفعت کا نام ہی ربا ہے اور یہ طے ہے کہ سود و ربا نہ باہمی رضامندی سے جائز ہوتا ہے اور نہ عرف وتعامل سے کیونکہ یہ حق شرع ہے، اس لئے شرط فاسد خواہ کتنا ہی مروج ومعروف ہوجائے بہرحال مفسد عقد ہونا چاہئے۔

الجواب:

اصل جواب سے پہلے یہ عرض ہے کہ شرط فاسد کی وجہ سے فساد عقد کی علت کے سلسلے میں بنیادی طور پر فقہاء کے دو طرح کے اقوال ملتے ہیں:

شرط فاسد مستلزم ربا ہے

شرط فاسد سے فساد عقد کی علت یہ ہے کہ اس سے ربا لازم آتا ہے اور شرائط فاسدۃ سب کی سب مستلزم ربا ہیں۔

علامہ شامی رحمہ اللہ ایک موقع پر رقم طراز ہیں:

ان الشروط الفاسدة من باب الربا وهو فی المعاوضات المالية لا غير لان الربا هو الفضل الخالی عن العوض و حقيقة الشروط الفاسدة كما مر هی زيادة مالا يقتضيه العقد ولا يلائمه فيكون فيها فضل خال عن العوض وهو الربا۔ (شامی: ۷/۲۹۷)

ترجمہ: صرف مالی معاملات میں شرائط فاسدہ ربا کی قبیل

سے ہے؛ کیونکہ ربا کی حقیقت یہی ہے کہ ایسی زیادتی جو عوض
سے خالی ہو اور شرائط فاسدہ کی حقیقت بھی یہی ہے کہ اس میں
مقتضاء عقد اور ملائم عقد کے خلاف زیادتی مشروط ہوتی ہے اور
یہی وہ خالی عن العوض زیادتی ہے جو ربا کی حقیقت ہے۔

ملک العلماء علامہ کاسانی فرماتے ہیں: وهذا لان فساد البيع فى مثل هذه الشروط لتضمنها الربا --- لان زيادة منفعة مشروطة فى البيع تكون ربا لانها زيادة لا يقابلها عوض فى عقد البيع وهو الربا۔ (بدائع الصنائع: ۴/۳۷۷)

ترجمہ: شرائط فاسدہ کی وجہ سے بیع کا فساد اس لئے ہے کہ یہ
شرطیں ربا کی حقیقت کو متضمن ہوتی ہیں؛ کیونکہ معاوضات مالیہ
میں مشروط منفعت کی زیادتی ربا ہی کہلاتی ہے؛ اس لئے یہ ایسی
زیادتی ہے کہ عقد بیع میں جس کے مقابلہ میں کوئی عوض نہیں ہے
اور یہی ربا کی حقیقت ہے۔

صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں: وكل شرط لا يقتضيه العقد --- يفسده كشرط ان لا يبيع المشترى العبد المبيع لان فيه زيادة عارية عن العوض فيودى الى الربا۔ {الهداية: ۳/۵۹ باب البيع الفاسد}

شرط فاسد مفضی الی النزاع ہے

شرائط فاسدہ کی وجہ سے فساد عقد کی علت کے بارے میں دوسرا نظریہ، یہ ہے کہ چونکہ مقتضائے عقد کے خلاف اس طرح کی شرطیں باہمی نزاع، اختلاف و جھگڑے کا سبب بنتی ہیں اور دفع ظلم و فساد شریعت کے مقاصد اصلیہ میں سے ہے اس لئے اس طرح کی شرطوں کے ساتھ عقد فاسد ہو جاتا ہے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالی عقد بالشرط کی ممانعت کے عموم سے شرط معروف کے خارج ہونے پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى: انه معلل بافضائه الى النزاع فقال معللا لجواز الشرط المعروف لان الحديث معلول بوقوع النزاع المخرج للعقد عن المقصود به وهو قطع المنازعة والعرف ينفى النزاع فكان موافقا لمعنى الحديث۔ (رسائل ابن عابدين: ۱۲۱/۲، رسالة نشر العرف بحواله فقه البيوع: ۴۹۹/۱)

ترجمہ: علامہ شامی فرماتے ہیں اس کی علت مفضی الی النزع ہونا ہے؛ چنانچہ وہ شرط متعارف کے جواز کے تحت لکھتے ہیں، کیونکہ حدیث میں علت اس نزاع کا پایا جانا ہے جو عقد کو اس کے مقصود اصل یعنی دفع نزاع سے نکال کر نزاع کی وادیوں میں ڈھکیل دے اور عرف دافع نزاع ہے تو یہ حدیث کے معنی کے مطابق ہے۔

صاحب ہدایہ نے مذکورہ دونوں علتوں کو ایک ساتھ بیان کیا ہے، چنانچہ شرائط فاسدہ کی تفصیل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وكل شرط لا يقتضيه العقد --- يفسده كشرط ان لايبيع المشترى العبد المبيع لان فيه زيادة عارية عن العوض فيودى الى الربا او لانه يقع بسببه المنازعة فيعرى العقد عن مقصوده۔ (الهداية: ۱۹/۳ باب البيع الفاسد)

ترجمہ: جو شرط مقتضاء عقد کے خلاف ہو اس سے عقد فاسد ہو جائے گا، جیسے اس شرط کے ساتھ غلام فروخت کرنا کے مشتری

اس فروخت کردہ غلام کو کسی اور کے ہاتھ نہیں بیچ سکتا، اس لئے
کہ یہ شرط ایک ایسی زائد چیز ہے جس کے مقابلہ میں کوئی عوض
نہیں ہے؛ لہٰذا یہ سود کا سبب بنے گا یا پھر اس لیے اس طرح کی
شرطیں امکان نزاع کا ذریعہ ہے، لہٰذا عقد کا مقصود حاصل نہیں
ہو پائے گا۔

راجح علت

لیکن ان مذکورہ دونوں تعلیلوں میں سے دوسری تعلیل راجح ہے اور پہلی
مرجوح وغیر معتبر ہے۔
حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے فقہ البیوع میں علت فساد
پر تفصیل سے گفتگو فرمائی ہے اور تعلیل ثانی کو ہی راجح قرار دیا ہے۔ جس کی دو
وجہیں ہے:

پہلی وجہ:

پہلی وجہ یہ ہے کہ فقہاء احناف کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہے کہ
شرائط معروفہ ومروجہ مفسد عقد نہیں ہیں گو وہ کیسی ہی مقتضاء عقد کے خلاف ہوں
اگر عقد مع الشرط میں فساد کی علت یہ ہو کہ عقد اس طرح کی شرائط سے رباء پر
مشتمل ہو جاتا ہے تو ایسی شرطیں کسی بھی حال میں جائز نہیں ہونگی چاہے ان کا
عرف میں رواج ہو کیونکہ عرف وتعامل کی وجہ سے ربا حلال نہیں ہوتا۔

دوسری وجہ:

دوسری بات یہ ہے کہ یہ علت کی زیادتی بلاعوض ہے اوراس سے رباء لازم آتا ہے غیر واضح ہے، اسلئے کہ جب مشتری نے کسی منفعت کی شرط کردی تو یہ منفعت بھی مبیع کا ایک حصہ قرار پائیگی اور ثمن کا ایک حصہ اس کے مقابل آئیگا اور اگر بائع کسی منفعت کی شرط لگائے تو وہ منفعت شرط کا ایک حصہ قرار پائیگی اور مبیع کا ایک حصہ اس کے مقابل سمجھا جائیگا اس لئے کوئی زیادتی بلاعوض نہیں ہوگی۔

الغرض اصل علت فساد مفضی الی المنازعۃ ہونا ہے نہ کہ تحقق رباء نیز اس کی تائید اس مسئلہ سے بھی ہوتی ہے کہ مقتضاء عقد کے خلاف کسی منفعت کی شرط اس کے لئے لگائی گئی جس کی طرف سے مطالبہ ممکن نہ ہو یعنی وہ اہل ستحقاق میں سے نہ ہو تو بالاتفاق اس شرط سے عقد فاسد نہیں ہوگا؛ کیونکہ یہ مفضی الی المنازعۃ نہیں ہوسکتی اگر علت فساد تحقق رباء ہوتا تو یہاں بھی منفعت بلاعوض کی شرط ہے جس سے عقد فاسد ہوجانا چاہیئے۔

قال العلامة تقی العثمانی: ثم اختلفت عبارات الفقهاء الحنفية فی تعليل فساد البيع بالشرط فقد فسر عن البدائع ان فساد البيع فی مثل هذه الشروط لتضمنها الربا --- وقال ابن عابدين رحمه الله تعالی هو الراجح وذلک لامرين۔

الامر الاول: ان نالفقاء الحنفية اجازوا الشروط التی جری التعامل بها بحکم العرف ولو کان الفساد معلولا بکون العقد يتضمن الربا لما جاز االشرط بحال حتی لو کان متعارفا لان الربا لا يحل بالعرف و التعامل۔

الامر الثانی: ان تعليله بانه زيادة من غير عوض ويلزم منه

الربا غير واضح لانه اذا شرط المشتری منفعة فان تلک المنفعة سارت جزءا من المبیع وصار جزء من الثمن مقابلا لها وان اشترط البائع منفعة صارت تلک المنفعة جزء من الثمن وصار جزء من المبیع مقابلا لها فلیس هناک زیادة من غیر عوض۔ [فقه البیوع ۴۹۹۔۴۹۸/۱ المبحث الربع]

ترجمہ: بیع بالشرط کے فاسد ہونے کی علت کی تعیین میں فقہاءِ حنفیہ کی عبارات مختلف ہیں، بدائع کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ ان جیسی شرائط کی وجہ سے بیع ان کے ربا کو متضمن ہونے کی وجہ سے فاسد ہوتی ہے، اور یہ ایسی منفعت کی زیادتی سے ہوگا جس کی عقد میں شرط لگائی گئی ہو اور اس کے مقابل کوئی عوض نہ ہو، اور علامہ شامیؒ نے مفضی الی النزاع ہونا علت بیان کی ہے۔ چنانچہ وہ شرط متعارف کے جواز کے تحت لکھتے ہیں:

لأَنَّ الْحَدِيثَ مَعْلُولٌ بِوُقُوعِ النِّزَاعِ الْمُخْرِجُ لِلْعَقْدِ عَنِ الْمَقْصُودِ بِهِ وَهُوَ قَطعُ الْمُنَازَعَةِ، وَالْعُرْفُ يَنْفِي النزاع فَكَانَ مُوَافِقًا لِمَعْنَى الْحَدِيثِ.

ظاہر ہے کہ علامہ شامیؒ کی تعلیل راجح ہے، اس کی دو وجوہ ہیں:

پہلی وجہ یہ ہے کہ فقہاءِ حنفیہ نے ان شرائط کی اجازت دی ہے جن کا تعامل ہو، اگر فساد کی علت عقد کا ربا کو متضمن ہونا ہوتی جو کسی بھی صورت میں شرط کی اجازت نہیں ہوتی، حتی کہ وہ متعارف ہی کیوں نہ ہو؛ کیوں کہ ربا عرف وتعامل کی وجہ سے حلال نہیں ہوتا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ علامہ کاسانی رحمہ اللہ کی یہ تعلیل کہ "وہ بلاعوض زیادتی ہے اور اس سے ربا لازم آتا ہے"۔ واضح نہیں ہے؛ کیونکہ جب مشتری نے کسی منفعت کی شرط لگائی تو وہ منفعت مبیع کا جزو ہوگئی، اور ثمن کا ایک جزو اس کے مقابل ہوگیا، اور اگر بائع نے کسی منفعت کی شرط لگائی تو وہ منفعت ثمن کا جزو ہوگئی، اور مبیع کا ایک جزو اس کے مقابل ہوگیا، تو یہاں بلاعوض زیادتی نہیں ہے۔

الغرض اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عقد بالشرط میں فساد کی اصل علت تحقق ربا نہیں بلکہ امکان نزاع ہے اور چونکہ جب شرط معروف مروج ہوگی اور لوگ بلا دریغ اس کے مطابق معاملات کریں گے تو نزاع و جھگڑے کا احتمال بھی نہیں رہے گا، اس لئے شرط کے ساتھ بھی عقود جائز ہوجائیں گے کیونکہ معلول بالعلت حکم میں ارتفاع علت سے حکم بھی مرتفع ہو جاتا ہے؛ لہٰذا وارنٹی اور گارنٹی کی شرطوں کے ساتھ اشیاء کی خرید وفروخت کا معاملہ عرف وتعامل میں رائج ہے اس لئے بلاشبہ جائز ہے۔

تقریر ترمذی میں ہے: عقد بیع میں مقتضاء عقد کے خلاف شرط لگائی لیکن تاجروں کے عرف میں وہ شرط عقد کے اندر داخل شمار ہوتی ہے تو ایسی شرط لگانا بھی جائز ہے جیسے آج کل بازار میں بہت ساری ایسی چیزیں فروخت ہوتی ہیں جس میں بائع یہ کہتا ہے کہ میں ایک سال تک اس کی مفت سروس کرونگا اب ظاہر ہے کہ یہ مفت سروس فراہم کرنا مقتضاء عقد کے اندر داخل تو نہیں لیکن متعارف ہونے کی وجہ سے یہ شرط جائز ہے، لہٰذا اگر مشتری یہ شرط لگادے کہ میں اس شرط پر خرید تا ہوں کہ ایک سال تک مفت سروس کرو گے تو اس شرط کی وجہ سے عقد فاسد نہیں ہوگا۔ (تقریر ترمذی للعثمانی: ۱/۱۰۸ بحوالہ فتاویٰ دارالعلوم زکریا)

گارنٹی کی مدت زیادہ کرنے پر قیمت میں اضافہ:

(سوال) آج کل مارکیٹ میں یہ شکل بھی کثرت سے رائج ہے کہ جب کسٹمر کوئی سامان خاص طور پر الیکٹرانک سامان خریدنے جاتا ہے تو دکاندار گارنٹی کی مدت کے کم وبیش ہونے سے سامان کی اصل قیمت میں فرق بتلاتا ہے، مثلاً یہ کمپیوٹر ایک سال کی گارنٹی کے ساتھ دس ہزار کا ہے؛ لیکن تین سال کی گارنٹی کے ساتھ پندرہ ہزار کا ہے یا اسی سے ملتا جلتا یہ معاملہ بھی ہوتا ہے کہ سامان تو دس ہزار کا ہے اگر پانچ ہزار روپے مزید دو گے تو اس کی گارنٹی دو سال بڑھا دوں گا تو کیا اس طرح معاملہ کرنا درست ہوگا؟

(الجواب) ثمن کی تعین متعاقدین کا حق ہے نیز قیمت مقرر کرتے وقت مختلف وجوہات کے پیش نظر قیمت میں کمی بیشی ہوتی ہے؛ لہٰذا صورت مذکورہ میں گارنٹی کی مدت زیادہ ہونے کی صورت میں سامان کی قیمت میں باہمی رضامندی سے اضافہ کرنا شرعاً درست ہوگا، بشرطیکہ گارنٹی کی مدت اور سامان کی جو بھی قیمت مقرر کی جائے وہ بوقت عقد ہی حتمی طور پر متعین ہو جائے اور اس صورت میں جو اضافی رقم دی جا رہی ہے، وہ اصل ضمان و گارنٹی کا عوض نہیں ہے بلکہ اصلاً وہ سامان ہی کا عوض ہے، اور اضافی مدت کی گارنٹی ایک وصف مرغوب کے طور پر ہے بالفاظ دیگر یہاں ضمان و گارنٹی کا اصالۃً عوض نہیں لیا جا رہا ہے، بلکہ تبعاً وضمناً لیا جا رہا ہے اور یہ درست ہے۔

اصطلاح میں اس کو ضمان ممدد کہتے ہیں:

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اس کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولكن هناك التزام آخر رائج في السوق اليوم باسم "الضمان الممدد (Extended warranty) وهو ان يمد البائع مدة تصليح الجهاز من قبله فوق المدة المشروطة في العقد لقاء عوض مالى زائد فمثلا لو كانت المدة المشروطة في العقد لتصليح الجهاز من قبل البائع سنة فان البائع يقول "ادفع لى كذا فامدد المدة الى سنه أخرى" فهذا ليس مما نحن فيه الآن. من مسألة البيع بالشرط وانما هو عقد مستقل من عقود الصيانة-

ترجمہ:لیکن بازار میں ضمان ممد(Extended warranty) کے نام سے ایک اور چیز رائج ہے، وہ یہ کہ بائع عقد کے اندر مشروط مدت سے زائد مدت کے لیے ایک مالی عوض کے بدل اس مشین کی اصلاح میں اپنی خدمات پیش کرتا ہے،مثلاً اگرعقد میں ایک سال کی مدت مشروط ہوتو بائع کہتا ہے: تم مجھے اتنے پیسے اور دو، مزید ایک سال تک اصلاح کی ذمہ داری میری ہوگی،اس کاتعلق بیع بالشرط سے نہیں ہے؛ بلکہ یہ ایک مستقل عقد ہے جس کامحل کتاب الاجارہ ہے۔

الغرض یہ صورت درست ہے۔مبسوط سرخسی میں ہے:

وإذا عقد العقد على أنه إلى أجل كذا بكذا وبالنقد بكذا أو قال إلى شهر بكذا أو إلى شهرين بكذا فهو فاسد؛ لأنه لم يعاطه على ثمن معلوم ولنهى النبي صلى الله عليه وسلم - عن شرطين في بيع. وبذا هو تفسير الشرطين في بيع ومطلق النهي يوجب الفساد في العقود الشرعية وبذا إذا افترقا على بذا فإن كان يتراضيان بينهما ولم يتفرقا حتى قاطعه على ثمن معلوم، وأنما

العقد عليه فهو جائز: لأنهما ما افترقا إلا بعد تمام شرط صحة العقد- (المبسوط للسرخسي: ۸/ ۱۳ ط دار المعرفة)

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی ہدایت پر تیار کردہ ایک فتوے میں لکھتے ہیں: محض ذمہ داری لینے کی بنیاد پر استقلالا اور اصالۃ تو اجرت لینا درست نہیں ہے؛ البتہ ضمنا اور تبعا اس پر اجرت لینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ (فتویٰ کراچی ص: ۱۰ الملحقہ رسالہ ہذا)

دوسری صورت: البتہ اس مسئلہ کی ایک دوسری صورت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ بسا اوقات گارنٹی یا وارنٹی کی مدت پوری ہو جاتی ہے پھر اس کے بعد کسٹمر دکاندار کے پاس جا کر کچھ متعینہ رقم دے کر ایک طے شدہ مدت کی گارنٹی یا وارنٹی لیتا ہے۔

تو اس صورت میں چونکہ اصالۃ معقود علیہ ضمان اور گارنٹی کو بنایا جا رہا ہے یہاں گارنٹی کسی معقود علیہ یعنی سامان کے تابع نہیں ہے؛ بلکہ مستقلاً اسی گارنٹی اور ضمان کو ہی معقود علیہ بنایا جا رہا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ معاملہ شرعاً درست نہیں ہوگا۔

قال في الفتاوى الخيريه: لعدم صحه الاستيجار على الكفالة اذا هي تمليك نفع بعوض والكفالة ضم ذمه ألى ذمه. (الفتاوى الخيريه: ۲/ ۱۳۸-ط نیز دیکھیے فتاویٰ عثمانی: ۳/ ۲۸۸)

لائف ٹائم گارنٹی

موجودہ دور میں بعض کمپنیاں کچھ مخصوص مصنوعات پر لائف ٹائم گارنٹی دیتی ہیں، مثلاً کمپیوٹر کے پارٹس، ہارڈ۔ڈسک، وغیرہ پر کہ اگر کبھی بھی اس میں کوئی خرابی پیش آئی تو وہ بنا کر یا بدل کر دیں گے اور خریداری کا بل خواہ کسی کے بھی نام پر ہو جو شخص بھی سامان کے ساتھ بل لے کر جائیگا کمپنی گارنٹی کے مطابق سہولت فراہم کرنے کی پابند ہوگی تو کیا اس طرح کی لائف ٹائم گارنٹی لینا درست ہوگا۔

الجواب: صاحب فتاوی حقانیہ نے لائف ٹائم گارنٹی کو کفالہ بالدرک پر قیاس کر کے جائز قرار دیا ہے، جس طرح اگر مشتری کوئی سامان خریدے اور کوئی شخص درک یعنی آئندہ پیدا ہونے والے کسی بھی عیب کا ذمہ دار بن جائے تو ظاہر ہے کہ یہاں بھی جب تک وہ مبیع موجود رہے گی یہ ضمان اور ذمہ داری باقی رہے گی، اسی طرح لائف ٹائم گارنٹی میں جب تک وہ سامان باقی رہے گا گارنٹی باقی رہے گی؛ نیز یہ کہ عرفاً اس طرح سامان کی خرید و فروخت مروج و متعارف ہو چکی ہے اور شرط فاسد کو اگر عرف و رواج نے قبول کر لیا ہو تو اب وہ شرط فاسد نہیں رہتی، اسی طرح گارنٹی وارنٹی کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ نقلی اور جعلی سامان سے ممتاز ہو جائے اور مشتری اس شرط کی وجہ سے اطمینان سے خرید لے، لہٰذا لائف ٹائم گارنٹی کے ساتھ سامان کی خرید و فروخت جائز ہے۔

فتاوی حقانیہ میں ہے:

دور حاضر میں بعض کمپنیاں اپنی مصنوعات کی خریداری پر گاہک کو سال دو سال یا لائف ٹائم گارنٹی دیتی ہیں، یہ گارنٹی صورت کے لحاظ سے کفالہ بالدرک ہے (درک کے معنی حصول پانے کے ہیں) یعنی اگر مشتری مبیع میں کوئی عیب پائے تو بائع اس کا کفیل ہوگا جب کہ کفالہ بالدرک بالاجماع صحیح ہے، اسی طرح خود کفالہ میں بھی فقہاء کے یہاں توسع پایا جاتا ہے اس کے علاوہ کفالہ بلکہ اکثر معاملات کا تعلق عرف کے ساتھ ہے، آج کل کوئی چیز فروخت کرتے وقت گارنٹی دینا کاروبار کا ایک اہم جز بن گیا ہے، چونکہ آج کل دو نمبر (نقلی) چیزیں عام طور پر تیار ہوتی ہیں جس کی وجہ سے گارنٹی دینا اور لینا ناگریز ہوگیا ہے، اور ویسے بھی عام طور پر عالمی اور ملکی منڈیوں میں ایک رواج سا بن گیا ہے کہ لوگ گارنٹی والی چیز بلا کسی حجت کے خرید لیتے ہیں؛ لہٰذا گارنٹی پر خرید و فروخت کرنا عرف اور عموم بلوی کی وجہ سے جائز ہے اس میں کوئی قباحت نہیں۔ (فتاوی حقانیہ: ۶/ ۳۶۴)

(١) ما في بدائع الصنائع ولأن الكفالة جوازها بالعرف۔

(٦٠٦/٤، كتاب الكفالة)

ما في العناية على هامش فتح القدير تكفلت عنه بمالك عليه أو بما يدركك في هذا البيع يعني من الضمان بعد ان كان ديناً صحيحاً لأن مبنى الكفالة على التوسع فإنها تبرع وعلى الكفالة بدرك بفتح الراء وسكونها وهو التبعة دليل على جوازها بالمجهول لا يصح لأنه التزام فلا يصح مجهولاً كالثمن في البيع وقلنا إن الضمان بدرك صحيح بالإجماع وهو ضمان المجهول۔

(١٧٢/٧،كتاب الكفالة)

ما في الهداية وأما الكفالة بالمال فجائزة معلوماً ما كان المكفول به أو مجهولاً إذا كان ديناً صحيحاً أو بما يدركك في هذا البيع لأن مبنى الكفالة على التوسع فيحتمل فيها الجهالة وعلى الكفالة بالدرك إجماع۔ (۳/۹۸۔۱۰۰۰۔کتاب الکفالة)

ما في فتاوى قاضي خان على هامش الهندية: رجل باع داراً وكفل رجل المشترى بما أدركه فيها من درك فأخذ المشتري بذلك عنه رهناً، ذكر في الأصل أن الرهن باطل ولا ضمان على المرتهن والكفالة جائزة۔ (۳/۶۴۔فتاوی حقانیہ:۶/۳۶۴)

ما في قواعد الفقه: استعمال الناس حجة يجب العمل بها۔ (ص:۵۷)

عقد صیانت میں قابل لحاظ امور

(۱) جس چیز کی صیانت مطلوب ہے اس کی تعیین کہ وہ آلہ ہے یا زمین ہے یا کوئی اور چیز ہے یہ تعیین اس کے اوصاف بیان کرنے سے ہو یا اس کی طرف اشارہ کرنے سے ہو۔

تعيين الشئ المتفق على صيانته آلة أم عقارا أم غيرهما بصفة أو بالاشارة اليه.

(۲) مطلوبہ صیانت کی نوع کی اس قدر وضاحت کہ وہ باہمی نزاع کے لیے مانع بن سکے، اس کی صورت یہ ہے کہ اس فن کے ماہرین کچھ شرط لگائیں اور اس کے خاص اوصاف بھی بیان کریں۔

تعيين نوع الصيانة المطلوبة بدقة تمنع إثارة النزاع وذلك بتحديد شروط ومواصفات خاصة ينص عليها في العقد، يحددها الخبراء.

(۳) عقد صیانت کا دورانیہ مقرر کیا جائے کہ وہ ہفتہ بھر کے لئے ہوگا یا مہینہ کے لئے ہوگا یا سال کے لئے اور یہ بھی متعین ہو کہ صیانت کن صورتوں کو شامل ہوگی، اور کس طرح کی ہوگی؟

تعيين فترات الصيانة الدروية أسبوعيا أو شهريا او سنويا ..... وشكلها وطبعتها.

(۴) کام کرنے والے شخص انجینئر یا فنی ماہر کے کام کے معیار کی وضاحت اور آدمی کی تعیین ہو سکے تو بہت درست ہوگا۔

تعيين وصف ورتبة العامل الذي يقوم بها أو عاملا فنيا ....

فاذا أمكن تحديده بشخسه كان أولى.

(۵) اجرت، اس کے دینے، ہر دفعہ ادا کرنے اور ادائیگی کی جگہ کی تعین کی جائے، اور اگر اجرت قسط وار ادا کرنی ہے تو ہر قسط کی تاریخ بھی متعین کر دی جائے۔

تحديد أجرة الصيانة وطريقة دفعها وتاريخ كل دفعة ومكان الدفع.

(٦) معمول کے عرصہ کے بعد دوبارہ ہونے والی صیانت میں جن مواد کا استعمال ہونا لازمی ہوتا ہے، جیسے گریس اور آئل (OIL) لگانا وغیرہ۔۔۔اور ان چیزوں کے محل استعمال کی وضاحت کی تعیین ضروری ہے، اور یہ انہیں چیزوں سے متعلق ہوتی ہے جن کے بارے میں ظن غالب ہو کہ وہ استعمال میں آتی رہتی ہیں۔

تحديد المواد اللازمة الدورية كالشهوم والزيوت.. والجهة التي عليها أن توفرها وذلك محصور بما هو مظنون الحاجة اليه غالبا۔ (عقود الصيانة للجعي:١٢)

مروجہ عقد صیانت کی صورتوں میں ان اصول اور ضمنی شرائط کا لحاظ کیا جائے تو جہالت اور غرر کا ازالہ ہوسکتا ہے، یا غرر کم ہوسکتا ہے اور غرر یسیر معاملات میں برداشت کرلیا جاتا ہے خصوصا جبکہ موجب نزاع نہ ہو۔

جیسا کہ علامہ سرخسی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہے: وقد يجوز أن يحمل العقد لليسير من الغرر دون الكثير منه ألاترى أنا نجوز شراء أحد الثياب الثلاثة على أنه بالخيار فيها ثم لايجوز ذلك في الأربعة. (مبسوط: ١٣/١٤)

اسی طرح علامہ ظفر احمد عثمانی تحریر فرماتے ہیں:

الحاصل أن الجهالة اليسيرة عفو في ماجرى به التعامل لكونها لاتفضى إلى النزاع عادة. (اعلاء السنن: ١٦/٢٠٧)

تجویز

عقود الصیانۃ (سروس کنٹراکٹ) سے متعلق تجاویز

ادارۃ المباحث الفقہیۃ جمعیۃ علماء ہند کے سولہویں فقہی اجتماع (منعقدہ ۳/۴/۵/شعبان المعظم ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۷/۱۸/۱۹/ مارچ ۲۰۲۱ء بروز بدھ، جمعرات، جمعہ بمقام مدنی ہال، مرکزی دفتر جمعیۃ علماء ہند) میں عقود الصیانۃ (سروس کنٹریکٹ) کی مروجہ صورتوں پر بحث ومباحثہ کے بعد درج ذیل تجاویز منظور کی گئیں:

(۱) عقد صیانت (سروس کنٹراکٹ) ایک جدید عقد ہے، جو شرعی تطبیق کے اعتبار سے عقد اجارہ کے قریب تر ہے؛ لہٰذا اس پر حسب شرائط اجارہ کے احکام جاری ہوں گے۔

(۲) عقد صیانت کی وہ شکل جس میں صائن حسب معاہدہ صرف اصلاح و مرمت کا عمل متعینہ مدت کے اندر انجام دیتا ہے، یہ عقد اجارہ ہی کی ایک شکل ہے اور جائز ہے۔

(۳) عقد صیانت کی وہ شکل جس میں صائن (سروس کنٹریکٹر) کی جانب سے عمل (اصلاح ومرمت) کے ساتھ بوقت ضرورت خراب ہونے والے پرزے اور آلات اپنے پاس سے لگانے کی ذمہ داری بھی لی گئی ہو، یہ معاملہ بھی عرف اور تعامل ناس کے پیش نظر جائز ہے۔

(۴) عقد صیانت کی وہ صورت جس میں صائن متعینہ مدت میں حسب ضرورت عندالطلب خدمت کرنے کو تیار رہتا ہو تو اس کی مختار شکل یہ ہے کہ مدت میں کم از کم ایک مرتبہ عملی نگرانی کا التزام کیا جائے تاکہ اجرت عمل کے جواز میں کوئی شبہ نہ رہے۔

(۵) مکان کی مرمت اور اصلاح کی اصل ذمہ داری مالک مکان کی ہوتی ہے، اسے کرایہ دار پر لازم نہیں کیا جاسکتا؛ لیکن زائد چیزوں (مثلاً اے سی، پنکھا وغیرہ) کی اصلاح اور حفاظت کی ذمہ داری خود کرایہ دار پر ہے۔ تاہم وہ دونوں اپنی رضامندی سے بھی آپسی ذمہ داریاں طے کرسکتے ہیں۔

(۶) اگر صائن سے اس طرح معاہدہ کیا جائے کہ اسے ہر مرتبہ حاضری پر خدمت کے عوض ایک متعینہ رقم دی جائے گی اور ایک محدود مالیت کی حد تک پرزے لگانے کی ذمہ داری بھی صائن ہی کی ہوگی تو یہ معاملہ بھی عرف وتعامل کی وجہ سے شرعاً درست ہے۔

(۷) جس عقد صیانت میں صائن مختلف آلات (مثلاً کمپیوٹر وغیرہ) کے پروگراموں کو ایک متعینہ مدت کے اندر تجدید (اپڈیٹ) کرنے کی ذمہ داری لیتا ہے تو یہ بھی اجارہ کی ایک شکل ہے اور جائز ہے۔

(۸) بائع اگر فروختگی کے وقت متعینہ مدت میں مبیع کی مفت سروس یا اس کے خراب ہونے کی شکل میں تبدیلی کی ذمہ داری لے تو اس میں بھی شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، اور عرف وتعامل کی بنا پر بیع میں اس طرح کی شرطیں لگانا جائز ہے۔

دارالعلوم کراچی کا مفصل فتویٰ

کیا فرماتے ہیں اس مسئلے کے بارے میں مفتیان کرام!!!

آجکل تجارتی کمپنیوں میں اجارہ کی ایک خاص صورت رائج ہے، وہ یہ کہ کمپنی کسی کاریگر کے ساتھ سالانہ بنیادوں پر معاہدہ کرتا ہے، کہ اگر اس مدت کے دوران فلاں مشینری، فلاں پروگرام یا فلاں گاڑی وغیرہ میں خاص قسم کا کوئی مسئلہ یا خرابی پیدا ہوگئی تو وہ کاریگر اس کو ٹھیک کریگا، اور اس کے بدلے کاریگر اس کمپنی سے ہر ماہ ایک مخصوص فیس وصول کرتا ہے، بعض جگہ سالانہ فیس وصول کی جاتی ہے۔ اب بعض اوقات پورا مہینہ بلکہ کئی کئی مہینے کوئی بھی خرابی پیدا نہیں ہوتی، لہٰذا کاریگر کو کام کی ضرورت نہیں پڑتی، جبکہ بعض اوقات ایک ہی مہینے میں کئی دفعہ مشین خراب ہو جاتی ہے، اور کاریگر کو بار بار کام کی ضرورت پیش آتی ہے، لیکن فیس وہی رہتی ہے جو شروع میں متعین کر دی جاتی ہے۔ البتہ کام کے علاوہ اگر کاریگر کو سامان وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہے تو اس کا خرچہ کمپنی پر ہوتا ہے۔ اور یہ معاہدہ بہت سی چیزوں میں بھی کیا جاتا ہے، مثلاً کمپنی میں ٹیلی فون اور انٹر کام کے نظام، لفٹ کے نظام، اور مشینری وغیرہ کے نظام میں کمینیکل (انجینئرنگ) کی کوئی خرابی پیدا ہوئی تو اسے ٹھیک کرنے کی ذمہ داری اس کاریگر پر ہوگی۔ یا مثلاً کوئی کمپنی سافٹ ویئر فروخت کر دیتی ہے۔ اس کے بعد ایک معاہدہ کیا جاتا ہے کہ اگر اس سافٹ ویئر میں کوئی ایسی خرابی پیدا ہوئی جو سافٹ ویئر ہی سے متعلق ہو، یا اس میں کسی وقت کوئی تبدیلی کرنی پڑے، یا اس کو اپ ڈیٹ کرنا پڑے تو اس کی ذمہ داری اس کاریگر پر ہوگی، اور وہ کاریگر اس کے بدلے ماہانہ یا سالانہ بنیادوں پر فیس وصول کرتا ہے۔ یہ اس کی چند مثالیں ہیں، اس کے علاوہ معاشرے میں اسکی بہت سی صورتیں رائج ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا اجارہ کی یہ صورت جائز ہے؟

واجرکم علی اللہ تعالی

المستفتی: ابو خلیل
فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی
مسلم آباد کالونی گل احمد کراچی
فون نمبر: ۰۳۳۳۷۰۳۴۵۷۷

(جواب منسلک ہے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب حامداً ومصلیاً

سوال میں مذکور عقد "عقد الصیانۃ" ہے، یہ چونکہ ایک نیا عقد ہے، اس لیے جواب سے قبل اس کی حقیقت واضح کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، تاکہ اس کے حکم شرعی معلوم کرنے میں آسانی ہو۔

عقد الصیانۃ کی حقیقت اور ضرورت:

"عقد الصیانۃ" موجودہ دور میں رائج ہونے والا ایک نیا عقد ہے جس میں کوئی شخص یا کمپنی مخصوص وقت تک کسی مشین، سافٹ ویئر وغیرہ میں پیش آنے والی خرابی کو ٹھیک کرنے کی ذمہ داری لیتی ہے، اور اس کے بدلے اس کو مخصوص اجرت ملتی ہے، اس شخص یا کمپنی کو "صائن" کہتے ہیں۔ یہ ذمہ داری لینے والا شخص یا کمپنی اس چیز کا فروخت کنندہ بھی ہو سکتا ہے، اور ایک تیسرا آدمی یا کمپنی بھی ہو سکتی ہے جو اس چیز کو فروخت تو نہیں کرتی، لیکن اس کی "صیانۃ" کی ذمہ داری لیتی ہے۔ کام کے دوران "صائن" کو اگر سامان وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہے تو بعض اوقات اس کا مہیا کرنا بھی اسی کی ذمہ داری ہوتی ہے، جبکہ بعض دفعہ وہ سامان مہیا کرنا مالک کی ذمہ داری ہوتی ہے جیسا کہ سوالنامہ میں لکھا ہے۔ اس عقد سے متعلق مزید تفصیل مجمع الفقہ الاسلامی کے مجلہ (العدد الحادی عشر، الجزء الثالث: "عقود الصیانۃ وتکییفہا الشرعی") میں دیکھی جا سکتی ہے۔

موجودہ دور میں یہ عقد بلاشبہ اگرچہ عام ہو چکا ہے، اس لیے ضرورتِ عامہ کے پیشِ نظر حتی الامکان اس کی جائز صورت تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن اس بات کا خیال رکھنا بھی لازم ہے کہ اس عقد کی وجہ سے کسی نص یا مسلَّمہ شرعی اصول کی خلاف ورزی لازم نہ آئے۔ چونکہ یہ عقد عصر حاضر کے جدید عقود میں سے ہے، گزشتہ زمانے میں اس کا وجود نہیں تھا، اس لیے اس کا صریح حکم قرآنِ کریم، احادیثِ طیبہ اور کتبِ فقہ میں ملنا مشکل ہے، البتہ شرعی اصولوں اور فقہی قواعد وضوابط کی روشنی میں اس کا حکم معلوم کیا جا سکتا ہے۔ ذیل میں ہم عقد الصیانۃ کی مختلف صورتیں ذکر کر کے ان کا حکم بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں:

دار الافتاء

عقود الصیانۃ کی تین صورتیں اور ان کے احکام:

(۱) **عقد الصیانۃ الوقائیۃ:** اس صورت میں ہوتا یہ ہے کہ مالک اور صائن (یعنی نگرانی دینے والے فریق) کے درمیان یہ معاہدہ ہوتا ہے کہ صائن ایک مخصوص مدت کے وقفے سے اس چیز (جس کے لیے عقدِ صیانۃ کیا جارہا ہو) کا معائنہ کرتا رہے گا اور جس کام کی ضرورت ہوگی وہ کام کریگا، اگر کوئی پرزہ وغیرہ خراب ہونے کے قریب ہے تو خراب ہونے سے قبل ہی اس کو تبدیل کریگا، تاکہ خراب ہونے کی نوبت نہ آئے۔ صیانۃ کی یہ قسم جائز ہے؛ کیونکہ اس صورت میں صائن کو جو اجرت مل رہی ہے وہ ایک متعین خدمت کے عوض مل رہی ہے۔ اور کام کی مقدار کی جو جہالت ہے وہ جہالتِ یسیرہ ہے جو مفضی الی النزاع نہیں ہے، اس لیے قابلِ تحمل ہے۔ البتہ اس میں معائنہ کی مدت اور صائن کے ذمے جو کام ہوگا اس کی نوعیت کی تعیین ضروری ہے۔ فقہی تکییف کے اعتبار سے یہ قسم "اجارہ" (طے شدہ معاوضہ کے بدلے متعین خدمات فراہم کرنا) ہے۔

(۲) **عقد الصیانۃ العلاجیۃ:** اس صورت میں مالک اور صائن کے درمیان یہ معاہدہ ہوتا ہے کہ اگر اس چیز (جس کے لیے عقدِ صیانۃ کیا جارہا ہو) میں متعینہ نوعیت کی کوئی خرابی آگئی تو صائن اس کو درست کریگا۔ خرابی آنے سے پہلے مشین وغیرہ کا معائنہ کرنا صائن کی ذمہ داری میں شامل نہیں ہوتا۔ اگر پوری مدتِ صیانۃ کے دوران کام کی ضرورت بالکل پیش نہ آئے تب بھی صائن کو مقررہ اجرت ملے گی۔ (اس صورت سے متعلق تفصیل صفحہ نمبر:۳ پر آرہی ہے)۔

(۳) **الصیانۃ الوقائیۃ اور الصیانۃ العلاجیۃ کا مجموعہ:** اس صورت میں صائن کے ذمہ دو کام ہوتے ہیں، ایک تو یہ کہ وہ سال یا مہینے میں (جو بھی مدت طے ہو) لازمی طور پر ایک یا دو مرتبہ اس چیز کا معائنہ کرے گا اور اگر اس میں متعینہ نوعیت کی کوئی خرابی نکل آئی تو وہ اس خرابی کو دور کرے گا۔ دوسرا یہ کہ اس طے شدہ مدت کے دوران اگر اچانک متعینہ نوعیت کی کوئی خرابی نکل آئی تو اس کو بھی صائن ٹھیک کرے گا۔ اس صورت میں چونکہ عمل کا ایک حصہ (یعنی اس چیز کا معائنہ) متعین ہوگا، اسی طرح صائن جس خرابی کو ٹھیک کرنے کا ذمہ دار ہوگا اس کی نوعیت بھی متعین ہوگی، اس لیے اگر عمل کے دوسرے حصے (یعنی اچانک پیش آنے والی خرابی کو ٹھیک کرنا) کی مقدار میں ایسی جہالت ہو جو مفضی الی النزاع نہ ہو تو اسے جہالتِ یسیرہ قرار دیکر اس عقد کے جواز کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

دار الافتاء

البتہ یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ اس صورت میں بھی معاملہ کرتے وقت خرابی کی نوعیت اور معائنہ کی مدت کی تعیین ضروری ہے۔ (التبویب:۱۴۸۳/۸۵،بتصرف وزیادۃ)

المبسوط للسرخسي (١٥/ ٣٠٠) باب إجارة الراعي:

فإن كان اشترط عليه حين دفع الغنم إليه أن يولدها ويرعى أولادها معها فهو فاسد في القياس؛ لأن المعقود عليه هو العمل فلا بد من إعلامه. وإعلامه ببيان محله وهنا محل العمل مجهول؛ لأنه لا يدري ما تلد منها وكم تلد وجهالة المعقود عليه مفسدة للعقد ولكنه استحسن ذلك فأجازه؛ لأنه عمل الناس ولأن هذه الجهالة لا تفضي إلى المنازعة بينهما والجهالة بعينها لا تفسد العقد فكل جهالة لا تفضي إلى المنازعة فهي لا تؤثر في العقد.

عقد الصیانۃ کی دوسری قسم یعنی "الصیانۃ العلاجیۃ" کا حکم:

جہاں تک "الصیانۃ العلاجیۃ" کے جواز یا عدم جواز، اور اس کی فقہی تکییف کا تعلق ہے تو اس سے متعلق عرض ہے کہ عصر حاضر کے علماءِ کرام نے اس کی مختلف فقہی تکییفات بیان کی ہیں۔ ذیل میں ہم اختصار کے ساتھ چند تکییفات ذکر کرتے ہیں۔

(ا)۔۔۔ بعض علماءِ کرام نے اس عقد کو "جعالہ" قرار دیا ہے۔ ان علماءِ کرام میں الدکتور منذر قحف، الدکتور أحمد الحجی الکردی، الأستاذ عز الدین محمد تونی، الأستاذ الدکتور یوسف قاسم، الدکتور عبد الستار أبو غدہ حفظہم اللہ تعالیٰ شامل ہیں۔("مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی:۱۱/۳۶۸"۔"دراسات المعاییر الشرعیۃ:۱/۷۵۱")۔ کویت کی "الندوۃ الفقہیۃ الرابعۃ" سے پاس شدہ قرار داد میں بھی "عقد الصیانۃ" کی فقہی تکییف "جعالۃ" سے کی گئی ہے۔ "الندوۃ الفقہیۃ الرابعۃ" کی یہ قرار داد ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

دراسات المعايير الشرعية (١/ ٧٧٠)

قرار الندوة الفقهية الرابعة بالكويت:

عقد الصيانة عقد مستحدث مشروع تنطبق عليه الأحكام العامة للعقود، ولا يخالف نصاً أو قاعدة شرعية عامة، وهو في تكييفه الفقهي أقرب ما يكون إلى عقد الجعالة حيث إن معظم صور الصيانة، لا يمكن فيها تحديد مقدار تحديد العمل بشكل دقيق.

وبعد تحديد جنس العمل ونوعه ومحل العمل والمقابل والزمن وما فيه من جهالة أو غرر، فهو من اليسير المغتفر الذي لا يؤدي إلى النزاع بالرجوع إلى

دار الإفتاء

المتعارف عليه في كل حال، وهذا بالنسبة لعقد الصيانة بدون الالتزام بقطع الغيار......................الخ

(۲)۔۔۔ بعض علماءِ کرام نے اس عقد کو "اجارہ" قرار دیا ہے۔ ان علماءِ کرام میں مجمع الفقہ الاسلامی کے ارکان الدکتور الصدیق محمد الامین الضریر رحمہ اللہ تعالیٰ، اور الشیخ محمد مختار السلامی حفظہ اللہ تعالیٰ شامل ہیں۔

(۳)۔۔۔ بعض حضرات نے اس عقد کو "عقدِ مستقل" قرار دے کر جائز کہا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس عقد کو اجارہ یا بیع سے جوڑنا درست نہیں۔ ان کی رائے میں اس عقد کے اندر کوئی غرر یا جہالت نہیں ہے؛ کیونکہ اس عقد میں معقود علیہ "استعداد الشركة أو الشخص للقيام بالخدمات" (یعنی صائن کا اپنی خدمات مہیا کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہنا) ہے، جس میں کوئی جہالت نہیں۔ "عقد الصیانۃ" کو انہوں نے "حراسۃ" (یعنی چوکیداری) پر قیاس کیا ہے۔

(۴)۔۔۔ مجمع الفقہ الاسلامی کے رکن الدکتور محمد انس الزرقاء حفظہ اللہ تعالیٰ کی رائے یہ ہے کہ عقد الصیانۃ العلاجیۃ تأمین علی الأشیاء (یعنی گڈز انشورنس) کے حکم میں ہے، جو کہ جمہور علمائے کرام کے نزدیک ناجائز ہے۔ (مذکورہ بالا آراء اور ان کی دلائل کی تفصیل "مجلة مجمع الفقه الإسلامي، العدد الحادي عشر، الجزء الثالث: "عقود الصيانة وتكييفها الشرعي" اور "دراسات المعايير الشرعية: ۷۲۹/۱ تا ۷۷۰" میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے)۔

مذکورہ بالا آراء کا اجمالی جائزہ:

ذیل میں ہم مندرجہ بالا آراء کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔

(۱) جعالہ اور عقد الصیانۃ:

ہمارے خیال میں "عقد الصیانۃ" اور "جعالہ" کے درمیان کئی ایسے فروق ہیں جن کی وجہ سے "عقد الصیانۃ" کو "جعالہ" نہیں کہا جا سکتا۔ مثلاً:

(الف) "جعالہ" میں جس کام کے عوض صلہ دیا جاتا ہے اس کام کا سبب پہلے سے موجود ہوتا ہے (کالجعل على رد العبد الآبق، فإنه يعطى بعد تحقق سببه وهو إباق العبد) اور "عقد الصیانۃ" میں عقد کے وقت صلہ کا سبب موجود نہیں ہوتا، کیونکہ عام طور سے عقد کے وقت وہ چیز خراب نہیں ہوتی، اور آئندہ بھی خرابی اور اس کی نوعیت اور مقدار کا یقین نہیں ہوتا۔

۵

(ب)"جعالہ" ایسا عقد ہے جو فریقین میں سے کسی ایک پر لازم نہیں ہے، جبکہ "عقد الصیانۃ"، عقد لازم ہوتا ہے، اگر اس چیز میں خرابی آگئی تو صائن (گارنٹی دینے والے فریق) کے لئے اس کو درست کرنا ضروری ہوتا ہے۔

(ج) جعالہ میں کام کرنے والا اجرت کا مستحق تب بنتا ہے جب وہ کام مکمل کر لے، اور عقد الصیانۃ میں ہر حالت میں اجرت دینی ہوتی ہے اگرچہ اس کام کی نوبت ہی نہ آئے۔ (مأخذ التبویب: ۱۴۸۳/۸۵)

(د) جعالہ میں جاعل کا مقصد اس وقت پورا ہوتا ہے جب مجعول لہ مطلوبہ کام مکمل کر کے دے۔ کچھ کام کرنے سے جاعل کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ جبکہ عقد الصیانۃ میں اگر صائن، صیانۃ کی پوری مدت کام نہ کرے، بلکہ کچھ مدت کام کرے تو اس سے بھی مالکِ سامان کو نفع پہنچتا ہے۔ (كذا في "مجلة مجمع الفقه الإسلامي، العدد الحادي عشر، الجزء الثالث: "عقود الصيانة وتكييفها الشرعي"، بحث الدكتور أنس الزرقاء حفظه الله تعالى)

الفقه الإسلامي وأدلته (٥/ ٥٢١)

تختلف الجعالة عن الإجارة من خمسة وجوه هي:

١ - تصح الجعالة مع عامل غير معين، ولا تصح الإجارة مع مجهول.

٢ - تجوز الجعالة على عمل مجهول، أما الإجارة فلا تصح إلا على عمل معلوم.

٣ - لا يشترط في الجعالة قبول العامل لأنها تصرف بإرادة منفردة، أما الإجارة فلا بد من قبول الأجير القائم بالعمل لأنها عقد بإرادتين.

٤ - الجعالة عقد جائز غير لازم، أما الإجارة فهي عقد لازم، لا يفسخها أحد العاقدين إلا برضا الآخر.

٥ - لا يستحق الجعل في الجعالة إلا بالفراغ من العمل، ولو شرط تعجيله فسدت، وفي الإجارة يجوز اشتراط تعجيل الأجرة.

الفقه الإسلامي وأدلته (٥/ ٥١٥)

الفرق بين الجعالة والإجارة على الأعمال: تفترق الجعالة عن الإجارة على عمل معلوم كبناء، وخياطة ثوب وحمل شيء إلى موضع معلوم من نواح أربع وهي: أولاً- لا يتم استيفاء المنفعة للجاعل إلا بتمام العمل كرد الشارد وبرء المريض. أما في الإجارة فيتم استيفاء المنفعة للمستأجر بمقدار ما عمل الأجير. وبعبارة أخرى: لا تتحقق المنفعة في الجعالة إلا بتمام العمل، أما في الإجارة فتتحقق المنفعة للمستأجر بجزء من العمل. وبناء عليه، لا يستحق العامل في الجعالة شيئاً إلا بتمام العمل. وإذا عمل الأجير في الإجارة بعض

دار الإفتاء

العمل استحق من الأجر بحساب (أو مقدار) ما عمل. ثانياً إن الجعالة عقد يحتمل فيها الغرر، وتجوز جهالة العمل والمدة بخلاف الإجارة، فالعمل في الجعالة قد يكون معلوماً، أو مجهولاً غير معلوم، كرد بهيمة ضالة؛ وحفر بئر حتى يخرج منها الماء؛ وكما تصح الجعالة على عمل مجهول أو معلوم، تصح جهالة المدة. أما الإجارة فلا بد من أن يكون العمل فيها معلوماً كالخياطة والبناء، والمدة معلومة. وإذا قدرت الإجارة بمدة لزم الأجير العمل في جميع المدة، ولا يلزمه العمل بعدها. أما الجعالة فالمهم فيها إنجاز العمل دون تقيد بالمدة. ثالثاً لا يجوز اشتراط تقديم الأجرة في الجعالة، بخلاف الإجارة. رابعاً الجعالة عقد جائز غير لازم، فيجوز فسخه، بخلاف الإجارة، فإنها عقد لازم لا يفسخ.

(۲)اجارہ اور عقد الصیانۃ:

اسی طرح "عقد الصیانۃ" کو مطلقاً "اجارہ" کہنا بھی مشکل ہے؛ کیونکہ اجارہ میں عمل کا معلوم ہونا ضروری ہے، جبکہ عقد الصیانۃ میں عمل معلوم نہیں ہوتا، عمل کے اندر جہالتِ فاحشہ اور غررِ کثیر پایا جاتا ہے؛ کیونکہ کبھی عملِ کثیر پایا جاتا ہے اور کبھی عمل کی نوبت ہی نہیں آتی۔

(۳)عقدِ مستقل اور عقد الصیانۃ:

جہاں تک اس رائے کا تعلق ہے تو اس سے متعلق عرض ہے کہ کسی عقد کو "عقدِ مستقل" قرار دینے کے لیے بھی کوئی مبنیٰ ہونا ضروری ہے؛ کیونکہ "عقودِ معاوضہ مالیہ" دو طرح کے ہیں۔ ایک قسم وہ عقود ہیں جن میں کسی عین کے عوض میں مال لیا جاتا ہے، جیسے بیع۔ دوسری قسم وہ عقود ہیں جن میں منفعت کے عوض اجرت کے طور پر مال لیا جاتا ہے، جیسے اجارات، جعالہ وغیرہ۔ اب سوال یہ ہے کہ "عقد الصیانۃ" میں صائن جو فیس لیتا ہے، وہ کس چیز کے عوض لیتا ہے؟ یہ بات تو واضح ہے کہ وہ سامان کے مالک کو کوئی عین نہیں دیتا، اس وجہ سے عقد الصیانۃ کو پہلی قسم عقود میں تو داخل نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح صائن کا سامان کے مالک کو منفعت (یعنی اس چیز میں آنے والی خرابی کو ٹھیک کرنا) دینا بھی یقینی نہیں، بلکہ اس میں جہالتِ کثیرہ ہے۔ اس لیے یہی کہنا پڑے گا کہ یہ فیس صرف اس چیز کو ٹھیک کرنے کی ذمہ داری لینے کی بناء پر لی جاتی ہے، چنانچہ انہوں نے یہی کہا کہ اس عقد میں اصل معقود علیہ "استعداد الشركة أو الشخص للقيام بالخدمات" (یعنی صائن کا اپنی خدمات مہیا کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہنا) ہے۔ لیکن محض اس استعداد اور ذمہ داری لینے کی بناء پر

نہیں لینے کو جائز نہیں کہا جا سکتا؛ کیونکہ اگر اس کو جائز کہا جائے تو پھر "بیع الخیارات" (یعنی آپشنز کی بیع) کو بھی جائز کہنا پڑے گا، اس میں بھی آپشن دینے والا شخص یہ ذمہ داری لیتا ہے کہ وہ مقررہ تاریخ تک اس شخص کو (جس کو وہ آپشن دے رہا ہوتا ہے) مقررہ چیز بیچے گا یا اس سے خریدے گا، اور اس اطمینان دلانے اور ذمہ داری لینے کے عوض فیس لیتا ہے۔ اسی طرح خدمات اور اشیاء کا بیمہ بھی درست ہو جائیگا۔ لیکن یہ بات واضح ہے کہ محض اس ذمہ داری لینے کی بنیاد پر "بیع الخیارات" کو جائز نہیں کہا جا سکتا، اور نہ ہی اس بنیاد پر خدمات اور اشیاء کے بیمہ کو جائز کہا جا سکتا ہے۔ اس لیے "عقد الصیانۃ" کو بھی محض ذمہ داری لینے کی بنیاد پر جائز نہیں کہا جا سکتا۔

جہاں تک "عقد الصیانۃ" کو "حراسۃ" (یعنی چوکیداری) پر قیاس کرنے کا تعلق ہے تو یہ قیاس درست نہیں؛ کیونکہ "حراسۃ" میں حارس باقاعدہ وقت دیتا ہے اور حفاظت کا عمل انجام دیتا ہے (جس میں کوئی جہالت یا غرر نہیں) اور اس وقت دینے اور عمل کرنے کی وجہ سے اس کو اجرت ملتی ہے۔ اس کے برخلاف "عقد الصیانۃ" کی مذکورہ صورت میں صائن متعین طور پہ نہ کوئی وقت دیتا ہے اور نہ متعین طور پر کوئی عمل کرتا ہے، اس لیے اس عقد میں غررِ کثیر پایا جاتا ہے، جس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

(۴) تامین اور عقد الصیانۃ:

یہ رائے فی الجملہ درست ہے؛ کیونکہ تامین اور عقد الصیانۃ دونوں اس بات میں مشترک ہیں کہ دونوں میں معقود علیہ مشکوک ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان میں غررِ کثیر پایا جاتا ہے۔ تاہم ہمارے خیال میں "عقد الصیانۃ" کے حکم میں مندرجہ ذیل تفصیل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

"عقد الصیانۃ" سے متعلق ہماری رائے:

"عقد الصیانۃ" کے بارے میں اصل اور بنیادی اشکال یہ ہے کہ اس میں غررِ کثیر پایا جاتا ہے؛ کیونکہ اس میں "معقود علیہ" وجود و عدم کے درمیان دائر ہوتا ہے۔ یعنی صائن ایک ایسے عمل کی فیس اور اجرت لیتا ہے جس کا وقوع پذیر ہونا یقینی نہیں ہوتا۔ لہٰذا جو اصل معقود علیہ ہے اس کا وجود مشکوک ہے جس کی وجہ سے اس عقد میں غررِ کثیر پایا جاتا ہے، اس وجہ سے اس عقد کو مطلقاً جائز کہنا مشکل معلوم ہوتا ہے، اور محض خرابی ٹھیک کرنے کی ذمہ داری لینے کی بنیاد پر اجرت لینے کو جائز نہیں کہا جا سکتا۔ (جیسا کہ اوپر اس کی وضاحت گزر گئی ہے)۔ ہمارے خیال میں "عقد الصیانۃ" سے متعلق جو بات بظاہر اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے وہ

یہ ہے کہ جن مشینریوں، گاڑیوں اور پروگرامز وغیرہ کے لیے "عقد الصیانۃ" کیا جاتا ہے وہ دو طرح کی ہو سکتی ہیں:

(۱)۔۔۔ وہ اشیاء ایسی ہوں جن کے بارے میں ظنِ غالب یہ ہو کہ عقدِ صیانہ کی رو سے صائن جن خرابیوں کو ٹھیک کرنے کی ذمہ داری لیتا ہے، مدتِ عقد کے اندر اندر عادۃً ان اشیاء میں وہ خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یعنی عموماً ن اشیاء میں اتنی مدت (جتنی مدت کے لیے عقدِ صیانۃ کیا جا رہا ہو) کے دوران وہ خرابیاں پیش آتی ہوں۔

اس قسم کی اشیاء میں اکثر اور غالب طور پر پیش آنے والی خرابی کو موجود اور متیقن کے بمنزلہ قرار یکر "عقدِ صیانۃ" کے جواز کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالی نے "ظنِ غالب" یقین کے ساتھ ملحق کیا ہے، اور جس چیز کے پیش آنے کا "ظنِ غالب" ہو، اس کو محقق اور متیقن چیز کی رح قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ فرمائیں عبارات نمبر: ۱ تا ۵)۔ اس لیے اس پہلی قسم کی اشیاء میں معقود علیہ کے متیقن کی طرح ہونے کی وجہ سے اس عقد میں غررِ کثیر نہیں رہے گا۔ اس صورت میں اگرچہ یہ معلوم نہیں ہے خرابی کس قدر پیش آئے گی اور صائن کو کتنا کام کرنا پڑے گا، لیکن چونکہ نفسِ خرابی (جو کہ معقود علیہ ہے) دماً وقوع پذیر ہونے کی وجہ سے موجود اور بمنزلۂ متیقن ہو گئی، اس لیے اگر اس کی مقدار میں ایسی الت ہو جو مفضی الی النزاع نہ ہو تو اسے جہالتِ یسیرہ ہونے کی وجہ سے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ (ملاحظہ ائیں عبارت نمبر: ۶ اور ۷)۔ اور جب اس قسم کی اشیاء میں عموماً (ظنِ غالب کی حد تک) وہ خرابیاں (جس کو ٹھیک نے کی صائن ذمہ داری لیتا ہے) پیش آتی ہیں تو یہ اس عقد کے جواز کے لیے کافی ہے، لہذا اگر کسی عقد میں ے آدھ بار بھی خرابی واقع نہ ہو تو اس سے حکم پر اثر نہیں پڑے گا۔

(۱) الأشباه والنظائر (ص: ۹۳)

وغالب الظن عندهم ملحق باليقين، وهو الذي تبتني عليه الأحكام، يعرف ذلك من تصفح كلامهم في الأبواب، صرحوا في نواقض الوضوء، بأن الغالب كالمتحقق وصرحوا في الطلاق بأنه إذا ظن الوقوع لم يقع وإذا غلب على ظنه وقع.

دار الافتاء

(۲) أيضاً حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح (ص: ٤٤٦)

(۳) تكملة حاشية رد المحتار (۱۲/ ۲٦٤) ط:دارالمعرفة

والحاصل أن الشك عندنا هو التردد بين الطرفين مطلقا كان أحدهما راجحا أو مرجوحا فيكون شاملا للظن، فالراجح هو الظن والمرجوح هو الوهم عند

أهل المعقول، وغالب الظن هو الطرف الراجح الذي يكون قريبا من الجزم وفوق الظن وهو عندهم ملحق باليقين.

(٤) المبسوط للسرخسي (٢/٣) مكتبة رشيدية

الحكم ينبني على العام الغالب دون الشاذ النادر، ألاترى أن نوم المضطجع جعل حدثاً على الغالب من حاله أن يخرج منه لزوال الاستمساك، وسكوت البكر رضا لأجل الحياء بناءً على الغالب من حال البكر، والشاذ يلحق بالعام الغالب.

(٥) وفيه أيضاً: ٢/٨٤

الحكم للغلبة، والمغلوب لايظهر حكمه مع الغالب.

(٦) تحفة الفقهاء (٢/ ٤٦)

أما الجهالة التي لا تفضي إلى المنازعة فلا تمنع الجواز.

(٧) بدائع الصنائع (٤/ ١٨١)

فإن قيل: أليس أنه لو استأجر دابة بغير عينها يجوز وإن كان المعقود عليه مجهولا لجهالة محله، فالجواب أن هذه الجهالة لا تفضي إلى المنازعة لحاجة الناس إلى سقوط اعتبارها لأن المسافر لو استأجر دابة بعينها فربما تموت الدابة في الطريق فتبطل الإجارة بموتها ولا يمكنه المطالبة بدابة أخرى فيبقى في الطريق فيقضي بغير حمولة فيتضرر به فدعت الضرورة إلى الجواز وإسقاط اعتبار هذه الجهالة لحاجة الناس فلا تكون الجهالة مفضية إلى المنازعة كجهالة المدة وقدر الماء الذي يستعمل في الحمام. وقال هشام: سألت محمدا عن الإطلاء بالنورة بأن قال أطليك بدانق ولا يعلم بما يطليه من غلظه وخفته، قال: هو جائز لأن مقدار البدن معلوم بالعادة والتفاوت فيه يسير لا يفضي إلى المنازعة ولأن الناس يتعاملون ذلك من غير نكير فسقط اعتبار هذه الجهالة بتعامل الناس.

البتہ یہاں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ اس قسم کی اشیاء میں "عقد الصیانۃ" کا جواز ایسی شرائط کے ساتھ مشروط ہوگا جن کی رو سے اس عقد میں غرر کثیر اور جہالت فاحشہ نہ رہیں۔ ذیل میں چند شرائط لکھی جاتی ہیں۔

(الف) "عقد صیانۃ" کے تحت صائن (گارنٹی دینے والے) کے ذمہ کیا کیا کام ہوگا؟ ان کاموں کی نوعیت کی مکمل وضاحت ضروری ہے۔

(ب) اجرت کی تعیین بھی ضروری ہے۔

(ج) "صیانۃ" کی کل مدت کا تعین بھی ضروری ہے یعنی "عقد صیانۃ" کتنے عرصے کے لیے ہوگا۔

(د) غرر فاحش سے مکمل اجتناب ہو، لہٰذا جس چیز میں اختلاف یا نزاع کا خطرہ ہو اس کی تعیین اور وضاحت پہلے سے ضروری ہے۔

اس پہلی قسم کی اشیاء میں "عقدِ صیانۃ" کی فقہی تکییف "اجارہ" سے ہوگی؛ کیونکہ مذکورہ بالا شرائط کا لحاظ کرنے سے ان امور (صائن کے ذمہ داریوں کی نوعیت، صائن کی اجرت، صیانۃ کی کل مدت) میں جہالت ختم ہو جاتی ہے، نیز اس قسم کی اشیاء میں وہ خرابی (جس کو ٹھیک کرنے کے لیے صیانۃ کا عقد کیا جاتا ہو، عموماً وقوع پذیر ہونے کی وجہ سے) چونکہ موجود اور متیقن کے بمنزلہ ہوتی ہے؛ اس لیے معقود علیہ میں جہالت فاحشہ بھی نہیں رہے گی، اور مقدارِ عمل کی جو جہالت ہے وہ مفضی الی النزاع نہ بننے کی وجہ سے جہالتِ یسیرہ کے زمرے میں آجائے گی۔ اس لیے "عقد الصیانۃ" کی یہ صورت فقہی تکییف کے اعتبار سے "اجارہ" کے تحت داخل معلوم ہوتی ہے۔ اور صیانۃ کا عقد کرنے والی کمپنی یا شخص چونکہ عموماً مختلف لوگوں کے ساتھ معاہدے کرتی ہے، اس لیے ایسی صورت میں صائن پر "اجیر مشترک" کے احکام لاگو ہوں گے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ اشکال بھی ختم ہو جاتا ہے کہ اجیر مشترک تو اجرت کا مستحق تب بنتا ہے جب وہ طے شدہ کام کرے، جبکہ اس صورت میں ممکن ہے کہ اس چیز میں وہ خرابی واقع نہ ہو، لیکن صائن کو اجرت پھر بھی ملے گی۔ وجہ وہی ہے جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں یعنی اس قسم کی اشیاء میں چونکہ عموماً (ظن غالب کی حد تک) وہ خرابی (جس کو ٹھیک کرنے کی صائن ذمہ داری لیتا ہے) پیش آتی ہے، تو گویا کہ صائن کے ذمے طے شدہ کام متیقن اور موجود ہو گیا، لہٰذا کسی ایک آدھ عقد میں خرابی پیش نہ آنے سے حکم پر اثر نہیں پڑے گا۔

اور خاص وہ صورت جس میں خرابی واقع نہ ہو اس میں صائن کو جو اجرت ملے گی، اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ کام تو اگرچہ اس نے نہیں کیا، لیکن کام کی ذمہ داری بہر حال لی تھی۔ اور محض ذمہ داری لینے کی بنیاد پر استقلالاً اور اصالۃً تو اجرت لینا درست نہیں ہے، البتہ ضمناً اور تبعاً اس پر اجرت لینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ تو یہاں پر گویا کہ اصل معقود علیہ تو پیش آنے والی خرابی کو ٹھیک کرنا ہے جس کو غالب طور پر پیش آنے کی وجہ سے متیقن کے بمنزلہ قرار دیدیا گیا، اور اجرت بھی اصالۃً اسی کے بدلے ملتی ہے، نہ کہ محض ذمہ داری لینے کی بنیاد پر۔ البتہ ضمنی طور پر ذمہ داری لینا بھی ایک اعتبار سے عقد کا حصہ ہوتا ہے، اس

لیے ضمناً کہیں ایک آدھ بار صرف اس کے بدلے اگر اجرت دی جائے تو اس سے یہ نہ اصل مقصود بنے گا، اور نہ ہی اس سے یہ لازم آئے گا کہ ذمہ داری لینے کی بنیاد پر مطلقاً اور اصالۃً اجرت لینے کو جائز کہا جائے۔

واضح رہے کہ اس پہلی قسم کی اشیاء میں اگرچہ غالب طور پر پیش آنے والی خرابی کو موجود اور متیقن کے بمنزلہ قرار دے کر عقدِ صیانۃ کی گنجائش دیدی گئی، لیکن احتیاط پھر بھی اس میں ہے کہ عقدِ صیانۃ کرتے وقت صائن کے ذمے یہ لازم کیا جائے کہ وہ سال یا مہینے میں (جو بھی مدت طے ہو) لازمی طور پر ایک یا دو مرتبہ اس چیز کا معائنہ کرے گا اور اگر اس میں متعینہ نوعیت کی کوئی خرابی نکل آئی تو وہ اس خرابی کو دور کرے گا۔ عه جیسا کہ شروع میں نمبر: ۳ میں اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

شرح المجلة لخالد الأتاسي رحمه الله تعالى (٢٦٩،٧٠/٤)

المادة ١٣٤٦: ﴿ضمان العمل نوع من العمل، فإذا تشارك اثنان شركة صنايع بأن وضع شخص في دكانه آخر من أرباب الصنايع على أن ما يتقبله هو ويتعهده من الأعمال يعمل الآخر ذلك وما يحصل من الكسب يعني الأجرة بينهما مناصفة تكون جائزة، واستحقاق صاحب الدكان حصة النصف بسبب كونه ضامناً ومتعهداً للعمل، وفي ضمن ذلك أيضاً يصير نائلاً منفعة دكانه﴾

قوله (ضمان العمل) أى تقبله والتعهد به حتى صار مضموناً عليه. وهو مبتدأ خبره قوله (نوع من العمل). وهذه الجملة جواب عما يقال: إن رأس المال في شركة الصنايع هو العمل كما سيأتي فإذا لم يكن من أحدهما عمل كيف يستحق ما شرط له، وكان القياس أن لاتجوز هذه الشركة؛ لأن من أحدهما العمل ومن الآخر الحانوت، وجوابه ان نفس التقبل والتعهد عمل، فبسببه يستحق ما شرط له، وهذا استحسان.......................... الخ

وفي صفحة: ٢٧١

المادة ١٣٤٧: ﴿كما أن استحقاق الربح يكون تارة بالمال أو بالعمل كذلك بحكم المادة ٨٥ يكون تارة بالضمان، كما أن في المضاربة يكون رب المال مستحقاً للربح بماله والمضارب بعمله، فإذا أخذ واحد من ارباب الصنائع تلميذاً عنده وأعمله ما تقبله وتعهده من العمل بنصف أجرته يكون جائزاً، والكسب يعني أجرته المأخوذة من أصحاب العمل كما يكون نصفها

عه اگر ہر عقد صیانۃ میں یہ شرط لازم کردی جائے تو عمل بھی متعین ہو جائیگا اور اجرت بھی۔ اور جواز بے غبار ہو جائے گا۔ احقر محمود اشرف غفر اللہ له

168

١٢

مستحقاً لذلك التلميذ بعمله يكون نصفها مستحقاً للأستاذ أيضاً بتعهده وضمان العمل.

يعني أن الربح لايستحق إلا بأحد ثلاث، وهي العمل كالمضارب في المضاربة، أوالمال كرب المال فيها، أوبالضمان كالأستاذ الذي يتقبل العمل من الناس ويلقيه على التلميذ ليعمله بنصف أجرته أوبأقل مما أخذ فيستحق الأستاذ ما يأخذ بسبب كونه قد ضمن العمل والتزمه، والربح لايستحق بغير هذه الثلاث.

وفي صفحة: ٣٢٢

المادة ١٤٠٠ : استحقاق الربح في الوجوه إنما هو بالضمان؛

إذ لا مال من كل منهما ولا عمل، وقد تقدم في المادة (١٣٤٧) وشرحها أن الربح لايستحق إلا بإحدى ثلاث: المال أوالعمل أوالضمان. والمراد بالضمان ضمان ثمن ما يشتريانه بوجوههما.

(۲)۔۔۔ جن اشیاء کے لیے "عقد الصیانۃ العلاجیۃ" کا اہتمام کیا جاتا ہے ان کی دوسری قسم وہ ہے جن میں مدت عقد کے دوران اس خرابی (جس کو ٹھیک کرنے کے لیے عقد الصیانۃ کیا جارہا ہو) کے واقع ہونے کا ظن غالب نہ ہو، یعنی عموماً ان اشیاء میں اتنی مدت (جتنی مدت کے لیے عقد صیانۃ کیا جارہا ہو) کے دوران وہ خرابی نہ آتی ہو جس کو ٹھیک کرنے کی صائن ذمہ داری لیتا ہے۔ اس قسم کی اشیاء میں "عقد الصیانۃ" جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس قسم کی اشیاء میں اصل معقود علیہ جس کی صائن ذمہ داری لیتا ہے، (یعنی پیش آنے والی خرابی کو درست کرنا) وہ مشکوک ہے، اور اصل معقود علیہ کے مشکوک ہونے میں چونکہ جہالتِ کثیرہ اور غرر فاحش ہے، اس لیے اس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم بالصواب
عبداللہ ولی عفی عنہ
عبداللہ ولی عفی عنہ
دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی
۲۷/۷/۱۴۳۸ھ
۲۵/۴/۲۰۱۷ء

یہ جواب بندہ کی ہدایت پر لکھا گیا ہے، اور بندہ کا رجحان اسی کی طرف ہے، لیکن چونکہ مسئلہ غیر منصوص ہے، اسلئے اسمیں دوسرے اہل افتاء سے مشورہ کرلینا مناسب ہے۔
واللہ سبحانہ اعلم
بندہ محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۵-۸-۱۴۳۸ھ

الجواب صحیح
[illegible]
۱۴۳۸/۸/[illegible]

الجواب صحیح جزی اللہ تعالی المجیب خیرا وحفظ اللہ تعالی فضیلۃ شیخنا الکریم بالصحۃ والعافیۃ الی طویل الزمان وجزاہ عنا جمیعا خیرا کثیرا
العبد محمود اشرف غفر اللہ لہ
۱۴۳۸/۸/۶ھ
03-05-2017

الجواب صحیح
[illegible]
۱۴۳۸/۸/۷ھ

متعلقہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

ا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عقود الصیانۃ سے متعلق مذکورہ فتوی کے سلسلے میں بندہ متعدد بار حضرت نائب صدر صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس دوران اس عقد کے متعدد پہلو اور مختلف فقہی تکییفات سامنے آئیں۔ بالآخر حضرت دامت برکاتہم کی ہدایت کے مطابق جو جواب لکھا گیا وہ گذشتہ صفحات پر درج کیا گیا ہے جس پر حضرت دامت برکاتہم کی تحریر بھی ثبت ہے۔ تاہم اس دوران اس عقد کی جو دیگر متعدد پہلو زیر بحث آئیں اور ان سے متعلق حضرت دامت برکاتہم نے جو ارشادات فرمائیں، اس تحریر میں ان ساری تفصیلات کو استاذِ محترم حضرت مفتی محمود اشرف صاحب دامت برکاتہم کے مشورے کے مطابق اس غرض سے محفوظ کیا جارہا ہے تاکہ بعد میں جب کبھی اس مسئلے پر غور و فکر کی جائے تو حضرت کے ان قیمتی ارشادات سے استفادہ کیا جاسکے۔ چنانچہ ذیل میں ان ارشادات کو قلم بند کیا جاتا ہے۔ وباللہ العصمۃ وھو ولی التوفیق۔

(ا)۔۔۔ اس سوال کا ایک جواب مولوی محمد کریم شاہ صاحب (متخصص فی الافتاء، ۱۴۲۷ھ) نے لکھا تھا، جس میں انہوں نے عقود الصیانۃ کی دو فقہی تکییفات ذکر کی تھیں:

(الف)۔۔۔ پہلی تکییف یہ ذکر کی تھی کہ صائن پر اجیر خاص کا حکم لگایا جائے۔ لیکن اس توجیہ پر یہ اشکال کیا جاسکتا تھا کہ اجیر خاص تو اجرت کا مستحق تب بنتا ہے جب وہ اپنے آپ کو مقررہ وقت میں مستاجر کے حوالہ کرے، جبکہ عقود الصیانۃ میں ایسا نہیں ہوتا، کیونکہ اس میں تو کام کرنے کا کوئی وقت ہی متعین نہیں ہوتا۔ اس اشکال کا انہوں نے یہ جواب ذکر کیا تھا کہ اس عقد میں اگرچہ وقت کی تعیین صراحۃً نہیں کی جاتی لیکن صائن چونکہ اس بات کی ذمہ داری لیتا ہے کہ فریقین کے درمیان معاہدہ کے طے شدہ مدت (مثلاً تین سال) میں اس چیز (جس کے لیے عقد الصیانۃ کیا جارہا ہو) کے اندر جب بھی متعینہ نوعیت کی کوئی خرابی پائی جائے گی تو وہ اس کو ٹھیک کرکے دے گا۔ لہٰذا اگر روزانہ خرابی پائی جائے گی تو وہ روزانہ وقت دینے کا پابند ہوگا، لیکن چونکہ عام طور پر وہ خرابی اتنی جلدی اور زیادہ پیش نہیں آتی بلکہ ضرورت کے وقت ہی مستاجر اس کو بلاتا ہے، تو گویا کہ مستاجر کی طرف سے اس کو اس بات کی رخصت دی جاتی ہے کہ اگر آپ اس وقت میں اپنا کوئی اور کام کرنا چاہیں تو آپ کو اجازت ہے، البتہ جب مجھے ضرورت پڑے گی تو میں آپ کو اطلاع کرکے بلالیا کرونگا۔

حضرت دامت برکاتہم کا ارشاد:

بندہ نے یہ جواب بھی حضرت دامت برکاتہم کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ شروع میں تو حضرت نے فرمایا کہ جو جواب آپ نے لکھا ہے (جو کہ گذشتہ صفحات پر درج ہے جس پر حضرت کی تحریر بھی ثبت ہے) اس کو بھی ذکر کریں اور ساتھ یہ تکییف بھی لکھیں۔ دونوں تکییفات لکھیں۔ لیکن پھر حضرت دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا کہ صائن کو اجیر خاص ماننے کی صورت میں مستاجر کو یہ اختیار ہوگا کہ اگر وہ معاہدہ کی مدت کے دوران کسی کام کی ضرورت پیش آئے بغیر بھی صائن کو اپنے پاس روکنا چاہے تو روک سکے، کیونکہ مذکورہ توجیہ میں صائن کو صرف بوقتِ ضرورت بلانا اور باقی اوقات میں اس کو رخصت دینا کہ وہ اپنے دوسرے کام کرے، یہ مستاجر کی طرف سے تبرع ہے۔ حالانکہ مارکیٹ میں ایسا نہیں ہوتا، مستاجر، صائن کو مقررہ چیز میں طے شدہ خرابی پیش آئے بغیر اپنے پاس نہیں روک سکتا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ صائن اجیر خاص نہیں ہے، اس لیے یہ توجیہ درست نہیں۔ اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ اس توجیہ کو ذکر نہ کریں۔ کیونکہ یہ درست معلوم نہیں ہوتی۔

(ب)۔۔۔ مولوی کریم شاہ صاحب نے دوسری تکییف یہ ذکر کی تھی کہ عقد الصیانۃ کو اجارہ کی اقسام سے الگ ایک مستقل عقد قرار دیکر تعامل کی وجہ سے اس کو جائز کہا جائے، جیسا کہ عقدِ استصناع کو بیع کی عام اقسام سے الگ مستقل عقد قرار دیکر تعامل کی وجہ سے خلافِ قیاس جائز قرار دیا گیا ہے۔ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب دامت برکاتہم نے اس کی ایک نظیر یہ بھی ذکر فرمائی تھی کہ جس طرح شرکت میں ذمہ داری کی بناء پر نفع میں حصے کا استحقاق بنتا ہے اگرچہ عملاً کام کی نوبت نہ آئے، اسی طرح یہاں بھی صائن کو کام کی ذمہ داری کی بناء پر اجرت کا مستحق قرار دیا جاسکتا ہے، اگرچہ عملاً کام کی نوبت نہ آئے۔

حضرت دامت برکاتہم کا ارشاد:

اس سے متعلق حضرت دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا کہ اگر محض ذمہ داری لینے کی بنیاد پر اجرت لینے کو جائز کہا گیا تو پھر بہت سی ناجائز عقود کو جائز کہنا لازم آئے گا، مثلاً بیع الخیارات وغیرہ، کیونکہ بیع الخیارات میں بھی خیار دینے والا شخص اس بات کی ذمہ داری لینے کے عوض اجرت اور فیس لیتا ہے کہ اگر طے شدہ مدت کے دوران فریق ثانی کو مقررہ چیز کی ضرورت پڑی تو وہ اس کو مہیا کرنے کا ذمہ دار ہوگا، اب یہاں پر بھی خیار دینے والا شخص مقررہ چیز کو فراہم کرنے کا ضمان لے رہا ہے اور اس کے عوض فیس لیتا ہے، لیکن محض ضمان لینے کی بنیاد پر اس کو جائز نہیں کہا گیا۔ اس لیے یہ جواب بھی درست معلوم نہیں ہوتا۔

<u>حضرت دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا کہ:</u> عقد الصیانۃ کے بارے میں اصل اور بنیادی اشکال غرر کا ہے، کیونکہ اس میں اصل معقود علیہ (یعنی کام کرنا) وجود و عدم کے درمیان دائر ہے۔ اس لیے اس میں تفصیل کی جائے اور اشیاء کی دو قسمیں بنائی جائیں، ایک وہ جن میں عادۃً صیانت کی مدت کے دوران کوئی خرابی آنے کا غالب گمان ہو یعنی عموماً اتنی مدت کے دوران ان اشیاء میں خرابی آتی ہی ہو۔ دوسری قسم وہ اشیاء جن میں متعینہ خرابی پیش آنے کا غالب گمان نہ ہو۔ پہلی قسم کی اشیاء میں تو غالب کو وجود کی طرح قرار دے کر عقد الصیانۃ کی گنجائش دی جائے، باقی مقدارِ عمل کی جو جہالت اس میں رہے گی اس کو جہالت یسیرہ (یعنی غیر مفضی الی النزاع نہ) ہونے کی وجہ سے نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ لیکن دوسری قسم کی اشیاء میں اس عقد کو ناجائز کہا جائے لجہالۃ المعقود علیہ جہالۃ فاحشۃ۔

اس پر بندہ نے حضرت دامت برکاتہم کی خدمت میں عرض کیا کہ دوسری قسم کی اشیاء کا حکم تو واضح ہوگیا، لیکن پہلی قسم کی اشیاء کے بارے میں یہ اشکال پھر بھی رہتا ہے کہ اگرچہ اس میں غالب کو متیقن کی طرح قرار دے دیا گیا، اور اس بنیاد پر اس قسم کی اشیاء میں اس عقد کو جائز کہا گیا لیکن غالب کا مفہوم تو یہ ہے کہ کبھی کبھار ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ پوری مدتِ صیانۃ کے دوران اس چیز میں کوئی بھی خرابی پیش نہ آئے۔ تو اگر پہلی قسم کی اشیاء میں کبھی ایسا ہوا تو خاص وہ صورت جس میں پوری مدت کے دوران کسی بھی کام کی ضرورت پیش نہ آئی ہو اس میں صائن جو اجرت لے گا وہ کس چیز کے بدلے میں قرار پائے گی؟

اس پر حضرت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ ضمان کے بدلے میں اگرچہ اصالۃً تو اجرت نہیں لی جاسکتی، لیکن ضمناً اور تبعاً ضمان کے بدلے اجرت لینے کی گنجائش ہے، اس لیے پہلی قسم کی اشیاء میں اصل معقود علیہ تو کام ہے جو غالب ہونے کی وجہ سے متیقن کی طرح ہے، البتہ اگر کہیں ایک آدھ عقد میں کام کی ضرورت پیش نہ آئے تو اس میں جو اجرت لی جائے گی وہ کام کی ذمہ داری لینے کے بدلے سمجھی جائے گی۔ پھر حضرت دامت برکاتہم نے ایسی عبارات تلاش کرنے کا فرمایا جن میں ضمان کے بدلے اجرت لینے کا جواز ہو۔ چنانچہ بندہ نے "مجلۃ الاحکام العدلیۃ" اور "شرح المجلۃ للعلامۃ خالد الأتاسی رحمہ اللہ تعالی" کی وہ عبارات خدمت میں پیش کیں جو جواب میں درج ہیں۔ ساتھ ہی بندہ نے یہ عرض کیا کہ مجلۃ الاحکام کی اس عبارت:

﴿ضمان العمل نوع من العمل، فإذا تشارك اثنان شركة صنايع بأن وضع شخص فی دكانه آخر من أرباب الصنایع علی أن ما یتقبله هو ویتعهده من الأعمال یعمل الآخر ذلك وما یحصل من الكسب یعنی الأجرة بینهما

۳

مناصفةً تكون جائزة، واستحقاق صاحب الدكان حصة النصف بسبب كونه ضامناً ومتعهداً للعمل، وفي ضمن ذلك أيضاً يصير نائلاً منفعة دكانه﴾

میں خط کشیدہ جملے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صاحب دکان کو اجرت اصالۃً ضمان کی وجہ سے مل رہی ہے۔

اس پر حضرت دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا کہ دراصل شرکت میں تقبل اور تعہد کو (خلاف قیاس، کما قالہ شارح المجلۃ العلامۃ خالد الأتاسی) عمل کی طرح قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اس کی وجہ سے مطلقاً ضمان لینے پر اجرت کو جائز نہیں کہا جاسکتا۔ اسی لیے تیار شدہ فتویٰ میں احتیاطاً اس میں قرار دی گئی ہے کہ عقد میں ابتداءً ہی میں ہر چھ ماہ - تین ماہ وغیرہ میں آکر اس چیز کے معاینہ کو لازم قرار دیا جائے تاکہ اجرت عمل کے بدلہ میں ہونا یقینی ہو جائے

اس کے بعد حضرت نے مذکورہ جواب پر تحریر فرمایا کہ: یہ جواب بندہ کی ہدایت پر لکھا گیا ہے، اور بندہ کا رجحان اس کی صحت کی طرف ہے، تاہم چونکہ مسئلہ غیر منصوص ہے اس لیے دوسرے اہل افتاء سے مشورہ کرنا بھی مناسب ہے۔ فقط، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

اللهم أرنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه وأرنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه. آمین.

عبداللہ ولی عفی عنہ

جزاکم اللہ تعالیٰ ورزقکم العلم النافع والرزق الواسع ما لحمل المتقبول - ترمیم

عبداللہ ولی عفی عنہ
تخصص فی الافتاء سال سوم
۱۴۳۸/۸/۱۱ھ

العبد محمود اشرف غفر اللہ لہ
۱۴۳۸/۸/۱۲ھ

مراجع ومصادر

۱	القرآن الكريم	
۲	احكام القرآن لابن العربي:	ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی م:۵۴۳ھ
۳	لسان العرب:	محمد بن مکرم بن علی ابوالفضل جمال الدین ابن منظور الانصاری الرویفعی م:۷۱۱ھ
۴	مسلم:	ابوالحسین مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری م:۲۶۱ھ
۵	مسند احمد:	أبوعبداللہ أحمد بن محمد بن حنبل الشیبانی الذہلی م:۲۴۱ھ
۶	ابن ماجه:	ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ الربعی القزوینی م:۲۷۳ھ
۷	شرح البخاري لابن بطال:	ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک م:۴۴۹ھ
۸	تطبيقات الاجارة والجعالة على عقود الصيانة:	الدکتور یوسف قاسم
۹	فتح الملهم تكمله:	شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب
۱۰	البحر الرائق:	علامہ زین الدین بن ابراہیم بن محمد بن نجیم المصری م:۹۶۹ھ/۹۷۰ھ
۱۱	بدائع الصنائع:	العلامہ ابوبکر بن مسعود الکاسانی م:۵۸۷ھ
۱۲	عقود الصيانة وتكييفها الشرعي:	الدکتور محمد صدیق الضریر
۱۳	عقود الصيانة:	الدکتور محمد علی التسخیری

۱۴ مجلة مجمع الفقه الاسلامی: مجموعة من العلماء والباحثين

۱۵ معجم لغة الفقهاء: محمد رواس قلعجی حامد صادق قنیبی

۱۶ عقودالصيانة: الدكتور محمد حسن الجواهری

۱۷ عقود الصيانه وتطبيقاته: عاطف محمد حسين ابوهربيد

۱۸ بحث حول عقد الصيانة فی المجلة: الشيخ محمد مختار السلامی

۱۹ المبسوط للسرخسی: شمس الدين ابوبكر محمد بن احمد السرخسی م: ۴۹۰ھ

۲۰ اعلاء السنن: المحدث الناقد العلامہ ظفر احمد بن لطيف احمد العثمانی التهانوی م: ۱۳۴۹ھ

۲۱ الموسوعة الفقهية الكويتية: مجموعة من العلماء

۲۲ الفقه الاسلامی وادلته: الشيخ محمد وهبه بن مصطفى الزحيلى م: ۱۴۳۶ھ

۲۳ المعايير الشرعية: لجنة من العلماء المعاصرين الموسومة بهيئة المحاسبة والمراجعة للمؤسسات المالية الاسلامية (Aaofi)

۲۴ اجارہ اور اس کی جدید صورتوں کے احکام: مفتی محمد زید احمد آبادی

۲۵ جدید معاشی نظام میں اسلامی قانونِ اجارہ: مولانا محمد زبیر اشرف عثمانی

۲۶ فتاوی عثمانی: شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب

۲۷ فتح القدير: الامام كمال الدين محمد بن عبدالواحد السيواسی ثم السكندری المعروف بابن الهمام م: ۸۶۱ھ

۲۸ العنایة فی شرح الهدايه: الامام اكمل الدين محمد بن محمد بن محمود البابرتی م: ۷۸۶ھ

۲۹ مجمع الانهر: الشيخ محمد سليمان الكليبولی المعروف بہ شيخ زاده م: ۱۰۷۸ھ

۳۰ الهداية:	شیخ الاسلام برہان الدین ابوالحسن بن علی بن ابی بکر المرغینانی م: ۵۹۳ھ
۳۱ الفتاوی الهندية:	العلامہ نظام الدین و جماعۃ من علماء الہند الاعلام
۳۲ الوسيط فی شرح القانون المدنی الجديد:	الشیخ عبدالرزاق احمد السنہوری
۳۳ فقه البيوع المنهى عنها مع تطبيقاتها الحديثة في المصارف الاسلاميه	الدکتور احمد الریان
۳۴ فقه البيوع للعثماني:	شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی
۳۵ غرر کی صورتیں:	ڈاکٹر مولانا اعجاز احمد صمدانی
۳۶ شرح المجلة:	الشیخ سلیم رستم باز اللبنانی
۳۷ درالحكام فی شرح مجلة الاحكام	علی حیدر خواجہ امین آفندی م: ۱۳۵۳ھ
۳۸ المعجم الاوسط:	ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی الطبرانی م: ۳۶۰ھ
۳۹ جامع ترمذی:	ابوعیسی محمد بن عیسی بن سورۃ بن موسی الترمذی م: ۲۷۹ھ
۴۰ نيل الاوطار:	الامام محمد بن علی الشوکانی م: ۱۲۵۰ھ
۴۱ العرف الشذی:	العلامہ محمد انور شاہ بن معظم شاہ الکشمیری م: ۱۳۵۲ھ
۴۲ مصنف عبدالرزاق:	الامام الحافظ ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی م: ۲۱۱ھ
۴۳ فتاویٰ دارالعلوم زکریا:	حضرت مولانا مفتی رضاء الحق صاحب
۴۴ فيض البارى:	العلامہ محمد انور شاہ بن معظم شاہ الکشمیری م: ۱۳۵۲ھ
۴۵ المحيط البرهانی فی الفقه النعمانی:	ابوالمعالی برہان الدین محمود بن احمد بن عبدالعزیز بن عمر مازہ م: ۶۱۶ھ

۴۶	امداد الفتاوى:	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی بن عبدالحق التھانوی م: ۱۳۶۲ھ
۴۷	عمدة القارى:	محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد العینی م: ۸۵۵ھ
۴۸	انٹرنیشنل فقہ اکیڈمی جدہ کے شرعی فیصلے:	-------
۴۹	خلاصة الفتاوى:	الامام طاہر بن احمد بن عبدالرشید البخاری الحنفی م: ۵۴۲ھ
۵۰	رد المحتار على الدر المختار:	العلامہ محمد امین ابن عابدین الشامی م: ۱۲۵۲ھ
۵۱	تبيين الحقائق:	الشیخ فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی م: ۷۴۳ھ
۵۲	غیر سودی بینک کاری:	شیخ الاسلام حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب
۵۳	الدر المختار مع رد المختار:	محمد بن علاء الدین الحصکفی م: ۱۰۸۸ھ
۵۴	الفقه الحنفى وادلته:	الشیخ اسعد محمد سعید الصاغرجی
۵۵	حاشية الطحاوى على الدر المختار:	العلامہ احمد بن محمد بن اسماعیل الطحاوی م: ۱۲۳۱ھ
۵۶	المدخل الفقهى العام:	الشیخ مصطفیٰ احمد الزرقاء
۵۷	فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:	مفتی اعظم حضرت مفتی عزیز الرحمن العثمانی م: ۱۳۴۷ھ
۵۸	جدید فقہی مسائل:	حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
۵۹	رسائل ابن عابدین:	علامہ ابن عابدین الشامی م: ۱۲۵۲ھ
۶۰	تقریر ترمذی للعثمانی:	شیخ الاسلام حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب